جامعہ حقانیہ کا ترجمان

الحقانیہ

ساہیوال
سرگودھا

مجلّہ

ذوالحجہ الحرام ۱۴۳۲ھ / نومبر ۲۰۱۱ء

بانی: فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی قدس سرہٗ

فہرست

وفاق المدارس کے چند اہم ترین فیصلے---------

حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری مدظلہم 3

درس حدیث

مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ 12

محمود احمد عباسی کے نظریات کا تحقیقی جائزہ--------

فقیہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی 13

خطیب الامت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ-----

حافظ محمد اکبر شاہ بخاری 48

احکام القرآن مفتی عبدالشکور ترمذی کا منہج تحقیقی جائزہ--

مفتی محمد عبداللہ چنیوٹی 54

خط و کتابت کیلئے: دفتر ماہنامہ الحقانیہ جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا
web-www.alhaqqania.org
E-mail-alhaqqania@yahoo.com فون : 048-6786002/6786899
پبلشر: مفتی سید عبدالقدوس ترمذی پرنٹر: جناب محمد منیر صاحب فائٹر پرنٹنگ پریس سرگودھا
کمپوزر: جناب حافظ سید عبدالغفور صاحب ترمذی

کلمۃ الحق حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری مدظلہم

وفاق المدارس کے چند اہم ترین فیصلے

مؤرخہ 22شوال المکرم 1432ھ کو وفاق المدارس کی مجلسِ عاملہ کا ایک اہم ترین اجلاس منعقد ہوا۔جس میں چند اہم ترین فیصلے کئے گئے ان کی افادیت واہمیت کے پیش نظراس مرتبہ اداریہ میں اس اجلاس کی روئیداد کو شامل اشاعت کیاجارہاہے۔(ادارہ)

طالبات کا دینی نصاب

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مجلسِ عاملہ کا ایک اہم ترین اور غیر معمولی نوعیت کا اجلاس 21ستمبر2011ء بمطابق 22شوال المکرم 1432ھ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے مرکزی دفتر ملتان میں منعقد ہوا۔یہ اجلاس کئی لحاظ سے خصوصی اہمیت کا حامل تھا،چونکہ یہ اجلاس تعلیمی سال کی ابتداء کے موقع پر انعقاد پذیر ہوا ، موجودہ عالمی اور ملکی حالات کے تناظر میں اس کی اہمیت میں مزید اضافہ ہوا اور پھر اس میں زیر بحث لائے جانے والے امور اور جن معاملات پر فیصلہ کیا گیا، ان فیصلوں کے بھی دُور رس اثرات مرتب ہونے کی توقع ہے۔اس اجلاس کی اہمیت اس لحاظ سے بھی دوچند ہوگئی کہ اس سے قبل 19اور20ستمبر بمطابق 20اور21شوال المکرم کو نصاب کمیٹی کے اجلاس بھی صبح سے رات گئے تک مسلسل جاری رہے۔ان اجلاسوں میں ملک بھر سے تشریف لائے ہوئے نصاب کمیٹی کے اراکین نے طویل غور وخوض اور بحث و مباحثہ کے بعد اپنی سفارشات مرتب کیں جنہیں مجلس عاملہ کے اجلاس میں حتمی منظوری کے لیے پیش کیا گیا۔صدر وفاق شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان اپنی پیرانہ سالی ، ضعف اور علالت کے باوجود ان اجلاسوں میں نہ صرف یہ کہ شریک ہوئے بلکہ صدارت بھی فرمائی اور نصابی

کمیٹی کے سربراہ کی حیثیت سے نصابی کمیٹی کی رہنمائی بھی فرماتے رہے۔

حضرت شیخ الحدیث اور راقم الحروف کے علاوہ مجلس عاملہ کے اجلاس میں مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر بنوری ٹاؤن کراچی ، مولانا انوار الحق جامعہ حقانیہ ، مولانا قاضی عبدالرشید دارالعلوم فاروقیہ راولپنڈی، مولانا ڈاکٹر سیف الرحمن حیدرآباد سندھ ، مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی جامعہ دارالعلوم کراچی ، مولانا مشرف علی تھانوی لاہور ،شیخ الحدیث مولانا عبدالمجید کہروڑپکا ، مولانا مفتی محمد طیب جامعہ امدادیہ فیصل آباد ، مولانا فضل الرحیم جامعہ اشرفیہ لاہور، مولانا ارشاد احمد صاحب دارالعلوم کبیر والا، مولانا مفتی طاہر مسعود سرگودھا، مولانا محمد ادریس نوشہرو فیروز سندھ، مولانا قاضی محمود الحسن اشرف مظفرآباد ، مولانا سعید یوسف آزاد کشمیر، مفتی صلاح الدین چمن بلوچستان ، مولانا محمد قاسم مردان ، مولانا قاضی نثار احمد گلگت، مولانا حسین احمد جامعہ عثمانیہ پشاور، مولانا صلاح الدین حقانی لکی مروت، مولانا فیض محمد خضدار، مولانا ذاکراللہ باجوڑ، مولانا مفتی مظہر شاہ بہاولپور اور مولانا حق نواز دارالعلوم صفہ کراچی شریک ہوئے جبکہ نصابی کمیٹی کے اراکین میں مولانا رشید اشرف دارالعلوم کراچی ، مولانا عطاء الرحمن جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی ، مولانا مفتی حامد حسن دارالعلوم کبیر والا، مولانا محمد عابد جامعہ خیر المدارس ملتان ، مولانا مفتی محمد امین جامعہ فریدیہ اسلام آباد، مولانا سلیم اعجاز باغ آزاد کشمیر، مولانا حسین احمد جامعہ عثمانیہ پشاور، مولانا صلاح الدین حقانی لکی مروت، مولانا غلام رسول شاہ کوئٹہ، مولانا ظفر احمد قاسم وہاڑی جبکہ مولانا عبیداللہ خالد بطور مبصر شریک ہوئے ۔ان اجلاسوں میں شرکت فرمانے والے اساطینِ علم کے اسمائے مبارکہ کی فہرست سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وطنِ عزیز کے کن عالی دماغ حضرات نے دینی مدارس کے مستقبل کے حوالے سے ہونے والے ان فیصلوں کی تشکیل میں حصہ لیا۔

وفاق المدارس کی مجلس عاملہ اور نصابی کمیٹی کے حالیہ اجلاسوں میں طالبات اور

بچیوں کی دینی تعلیم کے نصاب کے حوالے سے فیصلہ دیا گیا، یہ اہم ترین معاملہ ایک عرصے سے وفاق المدارس کی نصابی کمیٹی، مجلس عاملہ اور مجلس شوریٰ میں زیر بحث رہا، بلکہ شوریٰ کے اجلاس (منعقدہ 12 ربیع الثانی 1430ھ بمطابق 9 اپریل 2009ء) میں اس کی اصولی منظوری بھی دی گئی تھی۔ وفاق المدارس کے اکابر اور رہنماؤں کے پیشِ نظر ہمیشہ اس نصاب کے مقاصد واہداف رہے۔ اس سلسلے میں عام مسلمان خواتین کی دینی ضروریات کو بھی ملحوظ رکھا گیا اور عالمہ وفاضلہ بن کر دینی تعلیم و تبلیغ کا عزم رکھنے والی بچیوں کی ضروریات کا بھی خیال رکھا گیا۔ چنانچہ یہ طے پایا کہ ایک تو ایسا نصاب تشکیل دیا جائے جو شرعی احکام، فقہی مسائل اور قرآن وسنت کی روشنی میں ہر مسلمان ماں، بہن، بیوی اور بیٹی کے لیے ضروری ہو اور جس سے ہر طبقہ فکر سے تعلق رکھنے والی خواتین خواہ ان کی تعلیمی قابلیت، علاقائی پسِ منظر، عمر اور مصروفیات کی نوعیت کچھ بھی ہو وہ اس نصاب سے استفادہ کر سکیں۔ دوسرے نمبر پر وہ نصاب جس کے پڑھنے کے بعد ایسی عالمات، فاضلات، داعیات، مبلغات اور معلمات تیار کی جائیں جو خواتین کی دینی تعلیم وتربیت، وعظ و تبلیغ اور درس وتدریس کا فریضہ سرانجام دے سکیں۔ ان دونوں ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے دو طرح کے نصابوں کا جائزہ لیا گیا:

(۱) وہ تین سالہ نصاب جو دراساتِ دینیہ کے نام سے چند برسوں سے رائج ہے اس میں کچھ ضروری ردوبدل کر کے اسے تین سالہ کے بجائے دو سالہ کر دیا جائے گا اور یہ نصاب مردوں اور خواتین کے لیے یکساں طور پر رائج ہوگا جس سے مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے مسلمان مرد اور خواتین اسلام کی بنیادی تعلیمات اور احکامات کے حوالے سے استفادہ کر سکیں گے۔

(۲) طالبات کے لیے پہلے درس نظامی کا جو مروجہ نصاب رائج تھا۔ اس کی ترتیب

اب کچھ یوں ہوگی کہ وہ طالبات جو حسبِ سابق چار سالہ نصاب پڑھنا چاہیں انہیں اس کی اجازت ہوگی لیکن انہیں عالمیہ کی سند جاری نہیں کی جائے گی بلکہ عالیہ کی سند جاری کی جائے گی۔چار سالہ نصاب کے بعد جو طالبات مزید دو سالہ نصاب پڑھ کر اس کے امتحان میں شریک ہوں گی انہیں عالمیہ کی سند جاری کی جائے گی۔یوں یہ چار سالہ یا چھے سالہ نصاب ان طالبات کے لیے ہوگا جو عصری تعلیمی اداروں سے میٹرک پاس ہیں۔چار سالہ نصاب میں قرآن وحدیث ،فقہ واصول فقہ اور عربی گرائمر کے لحاظ سے بنیادی تمام مضامین کا احاطہ کیا گیا ہے یعنی اس چار سالہ نصاب میں ترجمہ و تفسیر قرآن کریم بھی مکمل ہوجائے گی ، مشکوۃ شریف اور ریاض الصالحین کی صورت میںحدیث مبارکہ، فقہ میں ہدایہ ، اصول فقہ میں نورالانوار اور صرف و نحو کی بنیادی کتب مکمل ہوجائیں گی ۔تاہم احادیث مبارکہ کی کتب کے منتخب حصوں کے بجائے مکمل متون عالمیہ کے دو سالوں میں پڑھنے لازمی قرار دیئے گئے ہیں تاکہ ذخیرۂ احادیث اور اس کی روشنی میں تمام علوم وفنون پر کامل دسترس حاصل ہوسکے ۔ان چھے سالوں میں سے پہلے دو سال ثانویہ خاصہ (سالِ اول، سال دوم)اگلے دو سال عالیہ (سالِ اول، سالِ دوم)اور اگلے دو سال عالمیہ (سالِ اول، سالِ دوم)کے ہوں گے اور بنین یعنی طلباء کی ترتیب کے مطابق وفاق المدارس کے امتحانات میں یہ طالبات شریک ہوکر سند حاصل کر سکیں گی ، جبکہ عامہ کے دو سال صرف ان طالبات کے لیے ہوں گے جنہوں نے میٹرک تک عصری تعلیم حاصل نہیں کی ہوگی ، عامہ کے دو سال کا زیادہ حصہ عصری مضامین پر مشتمل ہوگا تاہم اگر کوئی ادارہ اس دو سالہ نصاب کو گھنٹوں کی مقدار پوری کرتے ہوئے ایک ہی سال میں پڑھانا چاہے گا تو اسے اس کی بھی اجازت ہوگی ، عامہ کے ان دو سالوں میں عصری مضامین رکھنے کا مقصد یہ ہے تاکہ ان طالبات میں اتنی استعداد موجود ہو کہ وہ سہولت سے اپنی دینی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھ سکیں اور فراغت کے بعد وہ اپنے دینی علوم سے عام خواتین کو کماحقہ فائدہ پہنچا سکیں۔یہ عامہ کے دو

سال موجودہ مروجہ سسٹم میں بعض مدارس میں درجہ اولیٰ کے طور پر پڑھائے جانے والے درجے کی نئی شکل ہوگی۔ یہ نصاب آئندہ تعلیمی سال سے نافذ العمل ہوگا۔ انشاءاللہ

یاد رہے کہ طالبات کے نصاب کا دورانیہ بڑھانے اور اس میں یہ رد وبدل کرنے کی ضرورت بھی اسی لیے پیش آئی کہ موجودہ مروجہ نصاب اس لحاظ سے ناکافی محسوس ہو رہا تھا کہ اسے پڑھنے کے بعد طالبات کی وہ استعداد نہیں بن پاتی تھی جو ایک داعیہ، مبلغہ اور عالمہ کے لیے ضروری ہوتی ہے لیکن دوسری طرف یہ امر بھی پیش نظر تھا کہ طالبات کی اپنی فطری مجبوریاں ہوتی ہیں جن کے باعث وہ اپنی زندگی کا زیادہ حصہ حصول علم میں صرف نہیں کر پاتیں لیکن دوسری طرف ادھوری تعلیم، کمزور استعداد اور ناقص نصاب کے بعد عالمات قرار دی جانے والی طالبات کی وجہ سے بھی کافی مسائل ومشکلات کا سامنا تھا۔ اس لیے وفاق المدارس کے اکابر نے یہ فیصلہ کیا کہ دو سالہ دراساتِ دینیہ کورس کے ذریعہ عام خواتین کی دینی تعلیم وتربیت کی ضرورت پوری ہو سکے۔ چار سالہ نصاب طالبات کی فطری مجبوریوں کو مدنظر رکھتے ہوئے برقرار رکھا گیا لیکن حالیہ مسائل ومشکلات کے لیے اس بات کی ممانعت کر دی گئی کہ وہ خود کو عالمات نہ کہلوائیں جبکہ میٹرک کے بعد چھ سالہ نصاب مکمل کر کے وفاق المدارس کا امتحان پاس کرنے والی طالبات کو عالمیہ کی سند جاری کی جائے گی، امید کی جانی چاہیے کہ وفاق المدارس کے اکابر کے اس بروقت اور مخلصانہ فیصلے کی بدولت بہت سے مسائل ومشکلات سے امت کو نجات ملے گی، مستقبل میں زیادہ ذی استعداد اور اہل، عالمات تعلیم وتدریس اور دعوت وتبلیغ کا فریضہ سرانجام دیں گی اور نصاب کی مرحلہ وار تقسیم سے جہاں تمام خواتین کے لیے استفادہ آسان ہوگا، اور ان کی فطری مجبوریوں کی رعایت بھی ہوگی وہیں طالبات علم دین کے لیے زیادہ محنت کریں گی اور رسوخ فی العلم کے حصول کے لیے پہلے سے بڑھ کر محنت وکوشش کا اہتمام بھی

کریں گی۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آخر میں وفاق المدارس کے بنات کے نصاب پر ایک نظر ڈال لی جائے۔

بنات کا نیا نصاب

درجہ ثانویہ خاصہ میں ترجمہ و مختصر تفسیر پارۂ عم، جوامع الکلم (مولانا مفتی محمد شفیع) بعدۂ زادالطالبین مکمل مع ترکیب باب اول، بہشتی زیور (ج۔۲۔۳۔۴)، علم الصرف (ج۔۱۔۲۔۳) مع اجراء۔ (اس کے لئے ''تمرین الصرف'' سے استفادہ کیا جاسکتا ہے) عوامل النحو (مع مختصر ترکیب حصہ نثر)، علم النحو مع اجراء (اس کے لئے ''تمرین النحو'' اور ''تسہیل النحو'' سے استفادہ کیا جاسکتا ہے) الطریقۃ العصریہ (ج۔۱)، عربی کا معلم (حصہ اوّل، دوم) مولانا عبدالستار خان، حدر آخری پانچ پارے (ناظرہ) مع حفظ ربع آخر پارہ عم۔ خلاصۃ التجوید (مولانا قاری اظہار احمد تھانوی) اور درجہ ثانویہ خاصہ سال دوم میں ترجمہ و مختصر تفسیر قرآن مجید سورۂ یونس تا اختتام سورۂ عنکبوت، مختصر القدوری از ابتداء تا اختتام کتاب الحج، کتاب النکاح تا آخر کتاب النفقات، آسان اصول فقہ مکمل (مؤلفہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی) علم الصیغہ مع خاصیاتِ ابواب از علم الصرف حصہ چہارم، شرح مائۃ عامل (نوعِ اوّل باترکیب) بعدہ ہدایۃ النحو، قصص النبیین (ج ۲۔۳) اور تیسیر المنطق کو شامل نصاب کیا گیا ہے۔

عالیہ سال اول میں ترجمہ و مختصر تفسیر قرآن مجید سورۂ روم تا ختم سورۂ مرسلات، ریاض الصالحین مکمل، مختصر القدوری (ما بقیہ) ماسوائے کتاب الفرائض، نور الانوار (بحث سنت و اجماع) آسان فرائض اردو، سراجی تا ختم باب الرّد، دروس البلاغۃ (مکمل)، مقامات حریری پہلے پانچ مقامے، العقیدۃ الطحاویۃ (متن) جبکہ درجہ عالیہ سال دوم میں ترجمہ قرآن مجید از ابتداء تا ختم سورۂ توبہ، مشکوۃ جلد اول، مشکوۃ جلد ثانی مع خیر الاصول، ہدایہ جلد اول، نور الانوار (از ابتداء تا آخر کتاب اللہ)، شرح عقائد از عذاب قبر تا آخر، علوم القرآن

حصہ اول باب اول۔حصہ دوم باب اول و دوم شامل ہیں۔

درجہ عالمیہ منتخبات جلالین شریف جلد اول ' سورۃ البقرہ اور سورۃ النساء، جلد ثانی سورۃ الاحزاب والنور و لقمان والطلاق والتحریم وربع آخر جز پارہ عم مع سورہ فاتحہ، التبیان فی علوم القرآن از ابتداء تا آخر فصل را بع۔ تیسیر مصطلح الحدیث دکتور محمود الطحان۔ مختصر اسلام اور تربیت اولاد مؤلفہ ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہید، ہدایہ جلد ثانی ماسوائے کتاب العتاق و السیر والحدود، طحاوی کتاب الطہارہ ' کتاب الصلوۃ ، مؤطا امام محمد از کتاب النکاح تا آخر کتاب العقیقہ ، جامع ترمذی (ج۔۲) باستثناء کتاب العلل۔ سنن ابی داؤد جلد اول جبکہ درجہ عالمیہ سال دوم میں صحیح بخاری (دونوں جلدیں) صحیح مسلم دونوں جلدیں ماسوائے مقدمہ کے ، ابوداؤد جلد دوم اور جامع ترمذی جلد اول شامل نصاب ہیں

تجوید کا نصاب اور دیگر اہم فیصلے

وفاق المدارس کی نصابی کمیٹی کے دوروزہ مسلسل اجلاسوں اور بعد ازاں مجلسِ عاملہ کے اجلاس میں چند دیگر اہم امور کے بارے میں بھی بہت اہم فیصلے کیے گئے۔ مثال کے طور پر تجوید کے حوالے سے اللہ کے فضل وکرم سے ہمارے ہاں ایک عرصے سے مختلف صورتوں میں محنت جاری تھی۔ مختلف اداروں میں تجوید کے ایک سالہ اور دو سالہ کورسز کا انعقاد بھی کروایا جاتا تھا لیکن اس سلسلے کو کسی باقاعدہ سسٹم کے تحت لانے کی ضرورت ایک عرصے سے محسوس کی جارہی تھی ۔ تجوید کا باقاعدہ نصاب مرتب نہ ہونے اور اس شعبے کو وفاق المدارس کی باضابطہ سرپرستی حاصل نہ ہونے کے باعث تجوید کے شعبہ کی طرف رجحان میں بھی خاصی کمی دیکھنے میں آرہی تھی اور اس شعبے کے اہتمام وانتظام میں بھی کمزوریاں پیدا ہونے لگی تھیں۔اسی طرح بہت سے مدارس میں اس شعبے پر خصوصی محنت کا سلسلہ جاری تھا لیکن اس کے باوجود ان کی سند کو کوئی خاص اہمیت نہیں

دی جارہی تھی اور اس کے علاوہ ایک مسئلہ یہ بھی تھا کہ تجوید کے شعبے میں ملک بھر میں یکسانیت کا فقدان تھا ان تمام امور کو مد نظر رکھتے ہوئے تفصیلی مشاورت کے بعد علماء کرام کے لیے ایک سالہ اور حفاظ کے لیے دو سالہ کورس کی منظوری دی گئی ہے جس کا وفاق المدارس کی طرف سے باقاعدہ امتحان لیا جائے گا اور وفاق المدارس کی طرف سے ہی تجوید وقرأت کی سند جاری کی جائے گی۔ اس مرتبہ اجلاس میں تجوید کے حوالے سے ایک عرصے سے خدمات سرانجام دینے والے نامور قراء کرام کو بھی خصوصی طور پر مدعو کیا گیا۔ جن میں لاہور سے قاری احمد میاں تھانوی صاحب اور فیصل آباد سے مولانا قاری یٰسین صاحب بطور خاص قابل ذکر ہیں، اس بات کا بھی اہتمام کیا گیا کہ مصری اور پاکی پتی دونوں لہجوں کے حوالے سے شہرت رکھنے والے حضرات کی آراء کو سامنے رکھا گیا۔

تجوید وقرآت کے لیے مقرر کیے گئے دونوں کورسز کے نصاب کی تفصیل کچھ یوں ہے۔ تجوید میں علماء وفضلاء کے ایک سالہ نصاب میں معلم التجوید (قاری شریف صاحب) تفہیم الوقوف (مولانا قاری محمد اسماعیل صاحب) المقدمہ الجزریہ مع تشریحات وحفظ ابیات۔ مقدمہ جزریہ کی تشریح کے لئے (۱) مولانا قاری اظہار احمد تھانوی کی شرح جزری (۲) قاری شریف احمد کی شرح جزری (۳) قاری رحیم بخش صاحب کی العطایا الوھبیہ سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ حدر مکمل قرآن مجید، ترتیل پارہ عم مع حفظ، صفحات فی علوم القراء ات دکتور عبدالقیوم بن عبدالغفور السندی شامل نصاب ہوں گی اور دفاع قراءات مولانا قاری محمد طاہر رحیمی کو مطالعہ کی غرض سے منتخب کیا گیا ہے۔

جبکہ حفاظ کے دو سالہ تجوید کورس میں خلاصۃ التجوید بعدہ جمال القرآن، جامع الوقف مع معرفۃ الوقوف مؤلفہ مولانا قاری محب الدین احمد لکھنوی حدر ابتدائی دس پارے، ترتیل پارہ ۲۹ و ۳۰، مفتاح القرآن دو حصے، تعلیم الاسلام دو حصے مع سیرۃ الرسول اور سال دوم

میں فوائد مکیہ، المقدمۃ الجزریہ مع ترجمہ و حفظ ابیات، حدر آخری بیس پارے، ترتیل چالیس منتخب رکوعات مع عملی اجراء، قواعد تجوید، مفتاح القرآن آخری تین حصے اور تعلیم الاسلام آخری دو حصے مع سیرۃ خاتم الانبیاء شامل ہیں۔

وفاق المدارس کی مجلس عاملہ کے اجلاس میں موجودہ ملکی اور عالمی حالت پر گہری تشویش کا اظہار کیا گیا اور امت مسلمہ کو بالعموم اور پاکستانی قوم کو بالخصوص مسائل و مشکلات کے اس گرداب سے نجات دلانے کے لیے علماء کرام سے اپنا کردار ادا کرنے کی درخواست کی گئی۔ قدرتی آفات، سیلاب اور ڈینگی جیسے مسائل کے حوالے سے گہری فکر مندی کا اظہار کیا گیا اور ارباب مدارس کے نام ہدایات جاری کی گئیں کہ وہ مصیبت کی اس گھڑی میں اپنے دُکھی بھائیوں، بہنوں اور بچوں کی مدد، کفالت اور معاونت کا خصوصی طور پر اہتمام کریں۔ اس موقع پر عوام الناس سے رجوع الی اللہ اور اپنی اصلاح کی اپیل کی گئی جبکہ حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ بھی اپنی پالیسیوں پر نظرثانی کرتے ہوئے ان میں بنیادی تبدیلی لانے کا اہتمام کرے تاکہ ملک و ملت کا مقدر بدلا جا سکے۔

اس موقع پر بعض وزراء کی طرف سے وقتاً فوقتاً سامنے آنے والے غیر ذمہ دارانہ بیانات کی بھی شدید مذمت کی گئی اور ان کے بیانات کو غیروں کے عزائم اور ایجنڈے کی تکمیل کا ذریعہ قرار دیا گیا۔ الغرض مجموعی طور پر وفاق المدارس کی مجلس عاملہ اور نصابی کمیٹی کے تین روزہ اجلاس بہت بھر پور اور مفید رہے۔ اس موقع پر جن امور پر مشاورت ہوئی اور جن کے بارے میں فیصلے کیے گئے اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اللہ رب العزت ان امور کو امت مسلمہ کے لیے نافع بنائے اور ہم سب کے لیے خیر کا ذریعہ بنائے۔ آمین

(مولانا) محمد حنیف جالندھری

ناظمِ اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ

درس حدیث

عن ابی سعید الخدری انه سمع رسول اللہ ﷺ یقول اذا اسلم العبد فحسن اسلامه یکفر اللہ عنه کل سیئة کان زلفها و کان بعد ذٰلک القصاص الحسنة بعشر امثالها الٰی سبع مائة ضعف والسیئة بمثلها الا ان یتجاوز اللہ عنها (رواہ البخاری) ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ جب بندہ اسلام قبول کرلیتا ہے اور اس کا اسلام اچھا ہوتا ہے تو جو برائیاں اس سے پہلے کی ہوتی ہیں اللہ اسلام کی برکت سے ان سب کو معاف کردیتا ہے اور اس کے بعد اس کی نیکیوں اور بدیوں کا حساب یہ رہتا ہے کہ ایک نیکی پر دس دس گنے سے لے کر سات سو گنے تک ثواب دیا جاتا ہے اور برائی کرنے پر وہ اسی ایک برائی کی سزا کا مستحق ہوتا ہے الا یہ کہ اللہ تعالیٰ اس سے بھی درگزر فرمائے اور معاف ہی فرمادے

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کے دین (اسلام) کو اپنا دین بنانے سے اور مسلمان ہوجانے سے پچھلے گناہ معاف ہونے کی یہ شرط ہے کہ اسلام کا حسن بھی زندگی میں آجائے (یعنی اس کا قلب وباطن نور اسلام سے منور اور قالب وظاہر اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری سے مزین اور آراستہ ہوجائے، فحسن اسلامه کا یہی مطلب ہے پس اگر کسی شخص کی زندگی اسلام میں آجانے کے بعد بھی نور اسلام اور اسلام کے حسن سے خالی رہی اور اس کے ظاہر وباطن پر اسلام کا رنگ نہیں چڑھا تو پچھلے سب گناہوں سے معافی کا یہ اعلان اس کے لیے نہیں ہے۔ اسی طرح یہ بھی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک نیکی کا ثواب دس گنے سے سات سو گنے تک دیے جانے کا انعامی قانون بھی انہی بندوں کے لیے ہے جنہوں نے اسلام کا کچھ حسن اپنے اندر پیدا کرلیا ہو اور اس حسن کی کمی بیشی کے حساب سے ہی نیکیوں کا ثواب دس گنے سے سات سو گنے تک ملے گا۔

فقیہ العصر مفتی سید عبد الشکور ترمذی نور اللہ مرقدہ

محمود احمد عباسی کے نظریات کا تحقیقی جائزہ

(آخری قسط)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بارہ میں عباسی صاحب کے خیالات

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بارہ میں عباسی صاحب نے چونکہ اپنے خیالات کی ترجمانی کے لیے مستشرقین کا کندھا استعمال کیا ہے اور مرتبہ ناشناس غیر مسلموں کے نہایت ناشائستہ اور گھناؤنے الفاظ کو بغیر تنقید کے انہوں نے نہ صرف نقل کر دیا ہے بلکہ بعض جگہ ان الفاظ کو قابل لحاظ قرار دے کر اپنے دعویٰ کے ثبوت میں بھی ان کو پیش کیا ہے، اس طرح عباسی صاحب نے سیدنا حسین کی برملا تنقیص کرنے میں ان مستشرقین کی ہمنوائی اور موافقت کا ارتکاب کیا ہے، عباسی صاحب کے خیالات کی ترجمانی کے لیے ان کی حسب ذیل عبارات قابل لحاظ ہیں:

(۱) خلافت معاویہ ویزید کے ص ۱۲۵ پر مؤرخ دوزی کے حوالہ سے لکھا ہے:

''حسین کو بجائے ایک معمولی قسمت آزما کے ایک انوکھی لغزش اور خطأ ذہنی قریب قریب غیر معقول حب جاہ کے کارن ہلاکت کی جانب تیز گامی سے رواں دواں ہوں ولی اللہ کے روپ میں پیش کیا ہے''۔

عباسی صاحب نے اس کو نقل کرتے ہوئے قابل لحاظ قرار دیا ہے، لکھا ہے:

''مشہور مؤرخ دوزی کا ایک فقرہ اس بارہ میں قابل لحاظ ہے'' (ص ۱۲۵)

اس سے واضح ہے کہ عباسی صاحب کے خیالات بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بارہ میں اسی طرح کے ہیں۔

(۲) ص ۱۹۵ پر مؤرخ دوزی کا درج ذیل فقرہ نقل کرتے ہوئے اس کو بر محل قرار دیا ہے، مؤرخ دوزی کا یہ فقرہ بے محل نہ ہوگا ''حسین نے حب جاہ کی مہلک ترغیبات پر کان دھرنے کو ترجیح دی اور ان لاتعداد خطوط (دعوت ناموں) کی فخریہ طور پر نمائش کرتے رہے جو ان کو موصول ہوتے رہے اور جن کی تعداد جیسا کہ شیخی سے کہتے تھے ایک اونٹ کے بوجھ کے مساوی تھی''۔

(۳) ص ۲۰۳ پر تحریر کرتے ہیں کہ ''حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف تلوار کیوں نہیں اٹھائی جاسکتی جن کی دعوت محض یہ تھی کہ نبی ﷺ کا نواسہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرزند ہونے کی حیثیت سے انہیں خلیفہ بنایا جائے''۔

(۴) ''حضرت حسین نسبی وخاندانی دعویٰ سے بے جا و بے محل خروج کرنے میں بقول مؤرخ الخضری ص ۲۳۵ ''عظیم ترین غلطی کا ارتکاب کیا تھا'' ... موجودہ دور تحقیق وریسرچ میں ناجائز خروج کی پردہ پوشی کیلیے مناقب کی مبالغہ آمیز وضعی اور جھوٹی حدیثیں اور روایتیں اپنا وزن کھو چکی ہیں اور یہ حقیقت منکشف ہو چکی ہے کہ طلب حکومت کے ان خروجوں نے جنکا سلسلہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خروج سے شروع ہو کر انکی اولاد میں صدیوں تک جاری رہا وحدت اسلامی کا شیرازہ منتشر کر دیا'' (خلافت معاویہ ویزید ص ۴۶۸)

ان عبارات میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بارہ میں جس قدر گستاخانہ انداز تحریر اختیار کیا گیا ہے وہ ہرگز کسی مسلمان کے لیے قابل برداشت نہیں ہوسکتا مگر بد قسمتی سے اس انداز تحریر کو تحقیق وریسرچ کے نام پر مسلمانوں کے سامنے پیش کیا جارہا ہے اور خارجیت کے اس تلخ زہر کو ''تاریخی تحقیق'' کی چاشنی کے ذریعہ اہل سنت کے لیے قابل برداشت بنانے اور ان کے حلق سے اتارنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بارہ میں بدظنی کے اس نظریہ کی جس کو عباسی

صاحب نے پیش کیا ہے اہل سنت والجماعت کے مسلک میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ مسلک اہل سنت کی روسے اس کوروافض کے غلواورافراط کے مقابلہ میں یقیناً خوارج کی تفریطاور خطرناک ضلالت اور سخت گمراہی کہاجائے گا۔

اہل بیت کی محبت عین ایمان ہے

اہل سنت کے نزدیک آنحضرت ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ حسن عقیدت اور حسن ظن رکھنے کے ساتھ ساتھ آپ کے اہل بیت عظام کے بارہ میں بھی حسن ظن رکھنااوران کے ساتھ محبت کرناعین ایمان ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شان اقدس میں جن کوآپ ﷺ سے نسبی قرابت قریبہ ہونے کے علاوہ صحابیت کاشرف بھی حاصل ہے کسی طرح کی بدگمانی کاتصور کرنااور حضرت موصوف کے بارہ میں ''حب جاہ،اورباغی نیزبناوٹی ولی اللہ اوریشخی خور'' ہونے کا نظریہ رکھناجیساکہ اوپرکی عبارات سے عباسی صاحب کایہی نظریہ ظاہرہورہا ہے،اس کو مسلک اہل سنت سے دور کابھی واسطہ نہیں ہے،یہ عباسی صاحب نے اپنی خارجیانہ ذہنیت اورباغیانہ خیالات کامظاہرہ کیاہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی صحابیت سے انکار

عباسی صاحب کی یہی ذہنیت ہے جو'' تحقیق وریسرچ'' کی آڑمیں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کوصحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صف میں شمارکرنے کی اجازت نہیں دیتی۔

عرض مؤلف طبع سوم میں اگرچہ عباسی صاحب نے اس الزام کے جواب میں مغالطہ دینے کے لیے پہلے یہ لکھاہے کہ ''حضرت حسین کی صحابیت سے کہیں بھی انکار نہیں کیاگیا'' (خلافت معاویہ ویزیدص۲۴)مگراس پروہ برقرارنہیں رہ سکے اوراسی صفحہ پر اپنے مافی الضمیرکااس طرح برملااظہارکردیاکہ:

''جب حضرت حسین کا وفات نبوی کے وقت چار پانچ سال کا ہونا ثابت ہے تو صحابیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، چہ جائیکہ صحابی جلیل ہونے کا'' (ایضاً ص ۲۴)

مگر یزید کے حامی عمر بن سعد کے بارہ میں عباسی صاحب بالکل دوسری طرح سوچتے ہیں اور حضرت حسین اور عمر بن سعد دونوں کے ہم عمر ہونے کے باوجود عمر بن سعد کو صحابہ میں شمار کرتے ہیں، لکھتے ہیں:

''حضرت عمر بن سعد اور حضرت حسین بن علی دونوں ہم سن قرار پاتے ہیں''

(خلافت ص ۲۴۴)

پھر لکھا ہے ''عمر بن سعد خود صغار صحابہ کے زمرہ میں شامل تھے'' (ایضاً ص ۲۳۰)

جس سن وسال میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لیے صحابیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا عباسی صاحب کے نزدیک اسی سن وسال میں عمر بن سعد رضی اللہ عنہ صحابیت کے شرف سے بھی مشرف ہیں اور زمرہ صحابہ میں بھی شامل ہیں۔ اب اس کو عباسی صاحب کی خارجیانہ ذہنیت کے مظاہرہ کے سوا اور کیا نام دیا جائے؟۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت سے انکار

عباسی صاحب یزید کے خلاف حضرت حسین کے اس اقدام کو چونکہ ''ناجائز خروج'' سمجھتے ہیں اس لیے وہ حضرت حسین کے شہید ہونے کی بھی نفی کرتے ہیں، چنانچہ عباسی صاحب نے اپنی دوسری کتاب ''تحقیق سیدو سادات'' میں لکھا ہے:

''حضرات حسنین کے ذکر میں ایک صاحب (حسن) کے بعارضہ ذیابیطس کے وفات پانے اور دوسرے صاحب (حسین) کے سیاسی جھگڑوں میں مقتول ہوجانے کو ایک فرقہ کے پروپیگنڈے سے متاثر ہوکر قتل فی سبیل اللہ سے تعبیر کرنا حقیقت سے قطعاً بعید ہے'' (تحقیق سیدو سادات ص ۲۹۶)

اور لکھا ہے: ''حضرت حسین کی اوران کے عزیزوں اور بعض ساتھیوں کی عزیز جانیں توطلب خلافت کے خروج میں اور ہم عصر مسلمانوں کے ساتھ آویزش میں ہی تلف ہوئیں، کربلا کی وضعی داستانوں میں ان کی موت کوشہادت عظمیٰ کا درجہ دیاجاتا ہے ، شہید تو وہی ہے جودین کی حمایت اور کفار کے مقابلہ میں اپنی جان قربان کرے ایسی شہادت قتل فی سبیل اللہ تو رسول اللہ ﷺ کے نواسوں میں آپ کے سب سے بڑے نواسے حضرت علی بن ابوالعاص کی تھی '' (ص۲۹۴)

اوراس کتاب ''خلافت معاویہ ویزید'' میں بھی لکھا ہے:

''حضرت حسین اوران کے عزیزوں کی قیمتی جانوں کے یوں ضائع ہوجانے کا تصور توآج بھی ہمارے دلوں میں حزن وملال کے تأثرات پیدا کرتا ہے'' (ص۲۴۰)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کوسیاسی جھگڑوں میں قتل ،اور طلب خلافت کے خروج میں جان تلف اورضائع ہونے سے تعبیر کرنا یہ مسئلہ کا کس قدر غلط اور جانبدارانہ جائزہ اور توہین آمیز نظریہ ہے وہ کسی اہل علم وفہم سے پوشیدہ نہیں ہے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات

محقق عصر عباسی صاحب نے '' تحقیق سیدوسادات ''کی عبارت بالا میں تو لکھا ہے کہ حضرت حسن نے بعارضہ ذیابیطس وفات پائی ،مگراس سے قبل ص۲۹۴ کی عبارت میں لکھا ہے ''حضرت حسن نے بعارضہ تپ محرقہ چالیس دن بیمار رہ کر وفات پائی تھی '' اور خلافت معاویہ ویزید کے ص۱۴۲ پر لکھا ہے ''۴۸ھ میں حضرت حسن نے وفات پائی آپ تپ دق کے مہلک مرض میں فوت ہوئے تھے نہ زہر خوردنی سے جو محض غلط مشہور ہے ''

یہ ہے تحقیق ''محقق عصر''کی کہ کہیں کچھ لکھ دیا کہیں کچھ لکھ دیا۔

اوپر کے اقتباسات سے عباسی صاحب کا نظریہ واضح ہے کہ ان کے نزدیک

حضرت امام حسین محض نواسۂ رسول اور فرزند علی ہونے کی حیثیت سے ہی خلافت کے استحقاق کا دعویٰ فرماتے تھے، دوسری کوئی بات موجب فضیلت اور باعث منقبت ان کے نزدیک حضرت موصوف میں نہیں پائی جاتی تھی اور ان کے نزدیک حضرت موصوف کا یزید کے خلاف یہ اقدام بھی بے جا و بے محل ناجائز خروج قرار پاتا ہے اسی لیے وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کے بجائے سیاسی مقتول سمجھتے ہیں اور چونکہ وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا بھی انکار کرتے ہیں اس لیے ان کے نزدیک حضرت حسین ان فضائل و مناقب کے بھی مستحق و مصداق نہیں ہیں جو قرآن و حدیث سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے ثابت ہیں۔ لیکن حضور ﷺ کے ان ارشادات عالیہ سے روگردانی اور اعراض کرنے کا جواز عباسی صاحب کے ہاتھ کیسے آگیا جن سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مناقب و فضائل کا ثبوت ان کے نام کی تصریح کے ساتھ ہو رہا ہے۔

ایک حدیث میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اپنا محبوب بھی فرمایا ہے اور خدا تعالیٰ سے آپ کی محبوبیت کے لیے دعا بھی فرمائی ہے۔

حدیث ترمذی میں ہے:

" فقال هذان ابنای وابناابنتی اللّٰهُمَّ انی احبهمافاجبهما واحب من یحبهما" (ص۲۱۷قدیمی کتب خانہ) حسن و حسین یہ دونوں میرے بیٹے اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں، اے اللہ میں ان سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان کو اپنا محبوب بنا اور جو ان سے محبت کرے تو بھی ان سے محبت کر۔

اس طرح کی احادیث کا عباسی صاحب کے نزدیک آخر کیا مطلب ہے؟ کیا خدا اور رسول کے محبوب (حضرت حسین) کی سیرت ایسی ہی تھی جس کا نقشہ عباسی صاحب نے اپنی اس کتاب میں دنیا کے سامنے پیش کیا ہے، تعصب کی انتہا ہے کہ یزید کی طرفداری

میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے مسلک و مؤقف کو مسخ کرنے اور آپ کی سیرت کا حلیہ بگاڑنے کے لیے پورا زور لگا دیا گیا ہے ، کیا یہ وہی حسین رضی اللہ عنہ ہیں جن کے متعلق اہل جنت کے نوجوانوں کے سردار ہونے کی بشارت نام لے کر آنحضور ﷺ نے فرمائی تھی مگر افسوس کہ سرداریٔ جنت کی یہ حدیث بھی عباسی صاحب کے نزدیک وضعی ہے (جیسا کہ آگے معلوم ہوگا)۔

اسی طرح ''لا یزال الاسلام عزیزا الی اثنی عشر خلیفة'' کا مصداق امراء بنی امیہ کو بتاتے ہوئے بھی عباسی صاحب سخت تعصب کا شکار ہوئے ہیں کہ انہوں نے ان خلفاء میں خلفاء راشدین کو شمار نہیں کیا بلکہ ان کے نزدیک سب سے پہلے خلیفہ جو اس حدیث کے مصداق ہیں وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں ، پھر آگے چل کر توحد ہی کر دی کہ امراء بنی امیہ کی تعداد بارہ کے بجائے جب چودہ بن گئی تو آخری امیر کو تو اس لیے اس میں شمار نہیں کیا کہ اس پر حکومت بنی امیہ کا خاتمہ ہوگیا، لیکن اس کے باوجود بھی بارہ کے بجائے تیرہ امراء رہے تو درمیان سے امت محمدیہ کے مجدد اور عمر ثانی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ جیسے خلیفۂ راشد کو بھی ان خلفاء کی فہرست سے پوری بے دردی کے ساتھ خارج کر دیا گیا جن کے زمانہ میں اسلام کے طاقتور اور مضبوط رہنے کی پیشین گوئی اس حدیث مذکور ''لا یزال الاسلام عزیزا الی اثنی عشر خلیفة'' میں دی گئی ہے۔

عباسی صاحب کا احادیث کے ساتھ ناروا سلوک

عباسی صاحب کا احادیث کے ساتھ بے جا سلوک ان کی کتاب میں کئی جگہ ملے گا مثلاً:

(۱) ص ۲۴۴ پر صحیحین کی حدیث کو اس لیے ''محل نظر'' قرار دے دیا کہ اس کی رو سے عمرو بن سعد زمانہ نبوی کا مولود ثابت نہیں ہوتا اور عباسی صاحب کو یہ ثابت کرنا تھا کہ

عہد نبوی کا مولود ہے۔

(۲) نیز ص ۴۰۵ پر ابوداؤد وغیرہ صحاح کی حدیث ''خلافة النبوة ثلثون سنة ثم یوتی الله الملک من یشاء'' (ابوداؤد ص ۲۵۹) کو وضعی ٹھہرایا گیا ہے کیونکہ وہ عباسی صاحب کے نقطہ نظر کے بالکل خلاف ہے، ان کا کہنا ہے کہ اس وضعی حدیث کے راوی حشرج بن نباتہ الکوفی تمام ائمہ رجال کے نزدیک ایک ضعیف الحدیث اور لایحتج بہ ہیں، منکر الحدیث ہیں، یہ حدیث حشرج سعید بن جمہان مصری سے روایت کرتے ہیں کہ جنکی وفات ۱۳۶ھ میں ہوئی اور حضرت سفینہ کا انتقال ۷۴ ھ میں ہوا، ان دونوں کے سنین وفات میں ۶۲ برس کا فرق ہے، پھر یہ سعید تو بصرہ کے رہنے والے تھے اور حضرت سفینہ مدنی ہیں وہیں ان کی وفات ہوئی انہوں نے یہ حدیث ان سے کب سنی اور کہاں سنی (ص ۴۰۵)

حالانکہ ابوداؤ دکی حدیث مذکور میں سعید بن جمہان سے حشرج کی بجائے سلیمۃ الوارث بن سعید روایت کرتے ہیں ابوداؤ دکی سند میں یہ حشرج نہیں ہیں اور بخاری کی تاریخ صغیر ص ۹۷ پر سعید بن جمہان سے حضرت سفینہ سے ملاقات کا ثبوت بھی ہوتا ہے۔

(۳) ص ۱۳۶ پر حدیث ''لعل الله ان یصلح به بین فئتین عظیمتین من المسلمین'' کی صحت میں شک وشبہ کا امکان مان لیا ہے۔

(۴) اسی طرح ص ۲۵ پر لکھ دیا ''مگر روایتوں میں جو کتب احادیث وغیرہ میں بھی درج ہیں اور ''البدایہ والنہایہ'' میں بھی ان (عائشہ) کی عمر بوقت نکاح چھ برس کی اور بوقت خلوت صحیحہ نو برس کی بتائی گئی ہے ان وضاعین کو یہ خیال کیسے آتا کہ آنحضور ﷺ کی ذات اقدس پر اس سے کیا اثر پڑتا ہے''۔

حالانکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اپنا بیان بخاری شریف میں موجود ہے کہ نکاح کے وقت میری عمر چھ سال کی تھی اور خلوت صحیحہ کے وقت نو برس کی ''قالت تزوج

النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانابنت ست سنین(الی) فاسلمنی الیہ وانا یومئذ تسع سنین" (بخاری ج ا ص ۵۵۱) بخاری میں ہونے کے باوجود بھی مؤلف ان روایتوں کے راویوں کو ''وضاع'' کہہ رہے ہیں۔

مؤلف کی ایک دوسری کتاب

اس جگہ یہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عباسی صاحب کی ایک دوسری تالیف ''تحقیق سیدوسادات'' کے بھی چند اقتباسات ناظرین کے سامنے پیش کردیے جائیں کیونکہ ان سے ان کا نظریہ احادیث کے متعلق معلوم کرنے میں مدد ملنے کے علاوہ عباسی صاحب کے دوسرے عقائد کا علم بھی ہوگا اور یہ اچھی طرح واضح ہوجائے گا کہ وہ بھی منکرین حدیث کے گروہ کی طرح احادیث کو مجروح اور زخمی کرنے میں بڑی بے باکی اور جرأت سے کام لیتے ہیں اور اپنی غرض و مقصد کے خلاف دیکھ کر جس حدیث کو چاہتے ہیں موضوع قرار دے دیتے ہیں، دراصل عباسی صاحب کا نقطۂ نظر احادیث کے متعلق بالکل وہی ہے جو منکرین احادیث کا ہے۔

۸ لاکھ ۹۳ ہزار ۲۳۱ حدیثوں کو وضعی جعلی اور مہمل قرار دینا

عباسی صاحب لکھتے ہیں:

''احادیث کی سب سے پہلی کتاب المؤطا امام مالک متوفی ۱۷۹ھ میں نہ مناقب کی حدیثیں ہیں اور نہ جنت کی سرداری کی، امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ اور امام مسلم ۲۶۱ھ نے صحیحین میں جوانان جنت کی سرداری کی کوئی حدیث نہیں لی، حالانکہ ان دونوں ائمہ حدیث نے تقریباً نو لاکھ حدیثوں کے انبار میں سے جو ان حضرات نے جمع کیا تھا صرف دو ہزار سات سو اکسٹھ حدیثیں اپنے اصول پر منتخب کیں باقی آٹھ لاکھ ترانوے ہزار دو سو اکتیس کو وضعی و جعلی اور مہمل قرار دے کر رد کردیا'' (ص ۲۴۳، ۲۴۴)

عبارت بالا میں عباسی صاحب نے آٹھ لاکھ ترانوے ہزار دو سو اکتیس حدیثوں کو کس بے دردی سے وضعی و جعلی اور مہمل قرار دے دیا، اور پھر کس دیدہ دلیری سے امام بخاری اور امام مسلم کی طرف غلط طور پر یہ بات منسوب کر دی کہ ان دونوں اماموں نے حدیثوں کی اتنی بڑی مقدار کو وضعی و جعلی اور مہمل قرار دے دیا ہے، حالانکہ امام بخاری اور امام مسلم نے جن احادیث کو اپنی اپنی صحیح میں روایت نہیں فرمایا ان سب کو کہیں بھی وضعی و جعلی اور مہمل قرار نہیں دیا، یہ عباسی صاحب کا ان بزرگوں پر محض افتراء اور خالص بہتان ہے، جس کا ان کے پاس کچھ ثبوت نہیں ہے، بلکہ امام بخاری سے منقول ہے "قال البخاری ما اوردت فی کتابی ھذا الاماصح ولقدترکت کثیرامن الصحاح" (مقدمہ مشکاۃ للشیخ دہلوی اور مقدمہ بخاری شریف محدث سہارنپوری)

"امام بخاری فرماتے ہیں کہ میں نے اس کتاب میں صرف صحیح حدیثیں ہی نقل کی ہیں اور بہت سی صحیح حدیثوں کو میں نے ترک کر دیا ہے"۔

اسی طرح امام مسلم کا قول ہے:

"قال مسلم الذی اوردت فی ھٰذا الکتاب من الاحادیث صحیح ولا اقول ان ماترکت ضعیف"۔

"جو حدیثیں میں نے اس کتاب میں نقل کی ہیں وہ صحیح ہیں لیکن میں یہ نہیں کہتا کہ جو احادیث میں نے چھوڑ دی ہیں وہ ضعیف ہیں"۔

مقدمہ مشکاۃ میں لکھا ہے کہ:

ان البخاری ومسلمالم یحکمابانه لیس احادیث صحیحة غیرماخرجاه فی ھٰذین الکتابین یعنی امام بخاری اور امام مسلم نے یہ حکم کہیں نہیں لگایا کہ جن حدیثوں کو انہوں نے اپنی دونوں کتابوں میں روایت نہیں کیا وہ صحیح نہیں ہیں

اور امام بخاری سے یہ بھی منقول ہے کہ:

"انه قال حفظت من الصحاح ما ئة الف حديث ومن غير الصحاح مائتى الف" (مقدمہ مشکاۃ) ایک لاکھ صحیح حدیثیں اور دو لاکھ غیر صحیح حدیثیں میں نے یاد کی ہیں۔

جب ایک لاکھ حدیثیں امام بخاری کو ایسی یاد تھیں جو صحیح تھیں تو پھر وہ صحیح بخاری میں درج شدہ حدیثوں کے علاوہ دوسری حدیثوں کو جعلی اور موضوع کیسے کہہ سکتے ہیں؟ اور خود مسلم شریف میں ہی امام مسلم نے فرمایا ہے "قال ليس كل شئ عندى صحيح وضعته هٰهنا انما وضعت هٰهنا ما اجمعوا عليه" (مسلم ص ۴۴) یہ بات نہیں کہ میرے نزدیک جو بھی (حدیث) صحیح ہے اس کو میں نے اس جگہ لکھ دیا ہے یہاں صرف وہ (حدیثیں) لکھی ہیں جن پر اجماع ہے۔

عباسی صاحب کی عبارت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ بخاری و مسلم کی احادیث کو تو معتبر مانتے ہیں اور ان کے علاوہ سب احادیث کو "جعلی، وضعی اور مہمل" قرار دیتے ہیں، مگر دو ہزار سات سو اکسٹھ (۲۷۶۱) منتخب حدیثوں کی جو تعداد اوپر انہوں نے بتلائی ہے اس سے پھر یہ بات مشکوک ہوگئی۔ کیونکہ صرف صحیح بخاری ہی میں غیر مکرر احادیث کی تعداد چار ہزار ہے۔ اسی طرح صحیح مسلم میں بھی چار ہزار کے قریب احادیث ہیں۔

مقدمہ مشکاۃ للشیخ دہلوی میں ہے "ومبلغ ما اوردنى هٰذا الكتاب مع التكرار سبعة آلاف ومائتان وخمس وسبعون حديثاً وبعد حذف التكرار اربعة آلاف" اسی طرح مقدمہ بخاری للشیخ مولانا احمد علی محدث سہارنپوری میں ہے اور مسلم شریف کے مقدمہ کے متعلق "فتح الملہم" میں علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ

فرماتے ہیں"قال الجزائری واماصحیح مسلم فجملة مافیه باسقاط المکرر نحو اربعة آلاف حدیث" (مقدمہ ص۹۹)

اس سے معلوم ہوا کہ صحیحین کی بھی سب حدیثیں عباسی صاحب کو مسلم اور قبول نہیں ہیں بلکہ ان میں سے صرف دوہزار سات سو اکسٹھ حدیثیں ان کے نزدیک معتبر ہیں باقی سب غیر معتبر ہیں۔

عباسی صاحب نے ص۲۴۴ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ ''بخاری کی اصل احادیث کی تعداد ۲۷۶۱ ہے اور مکررات کے اعتبار سے ۷۲۷۰ ہے ، ہم نے شمار اصل احادیث کا کیا ہے''۔

اس حاشیہ کے تو یہ معنیٰ ہوئے کہ سوائے بخاری کے ان کے نزدیک مسلم شریف کی احادیث بھی ''وضعی جعلی اور مہمل'' ہی قرار پائیں ، کیونکہ دوہزار تین سو چھبیس (۲۳۲۶) حدیثیں تو ایسی ہیں کہ جن کی روایت میں بخاری اور مسلم دونوں شریک ہیں۔

مقدمہ مشکاۃ میں ہے "مجموع الاحادیث المتفقة علیهما الفان وثلثمائة وستة وعشرین" تو اب متفق علیہ احادیث کی تعداد کے علاوہ تقریباً چارہزار احادیث میں سے مسلم شریف کی چارسو پینتیس (۴۳۵) حدیثیں عباسی صاحب قابل اعتبار سمجھتے ہیں باقی ہزاروں حدیثیں مسلم شریف کی بھی ''جعلی وضعی اور مہمل ''قرار دیتے ہیں، استغفر اللہ العظیم

عباسی صاحب کا بخاری شریف کے ساتھ سلوک

اس کے علاوہ بخاری شریف میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے متعلق حدیث "سیدة نساء اهل الجنة" موجود ہے مگر عباسی صاحب کا نظریہ اس کے بارہ میں یہ ہے کہ ''خاتونان جنت کی سرداری کی کوئی حدیث اس عنوان کے تحت اسناد کے ساتھ

درج نہیں ہے۔ابواب کی فہرست میں صرف یہ الفاظ ہیں ''باب مناقب فاطمة'' مگر مطبوعہ نسخہ میں اس عنوان کے ساتھ'' قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاطمة سیدة نساء اهل الجنة''بغیر اسناد کے لکھ دیا ہے، حالانکہ امام بخاری ہر حدیث کی اسناد درج کرتے ہیں، شاید اس نسخہ کے کاتب کا یہ اضافہ ہو۔(ص۲۴۹)

عباسی صاحب کا بخاری شریف کی حدیث پر وضعی ہونے کا حکم لگانا

آگے چل کر ص ۲۵۲ پر توصاف طور سے ہی اس کے موضوع ہونے کا حکم لگادیا ہے لکھتے ہیں:

''کہنا یہ ہے کہ ''مصباح الظلم'' کے مؤلف نواب امداد امام صاحب نے ''سیدا شباب اهل الجنة اور سیدة نساء اهل الجنة''کی وضعی حدیثوں ہی کی بناپر ''خلعت سیادت'' کا دربار خداوندی سے مرحمت ہونا بیان کیا ہے''۔

عباسی صاحب کا بخاری شریف کی حدیث سے استہزاء اور تمسخر

مزید برآں عباسی صاحب ''بخاری شریف'' کے ''باب علامات النبوة فی الاسلام'' سے دو روایتوں کو نقل کرکے ایک جگہ اس کے مضمون پر اس طرح استہزاء اور تمسخر کے ساتھ بھی پیش آئے ہیں، لکھتے ہیں:

''پھر حدیث بیان کرنے والے نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے منہ سے کہلوایا میں روئی تو آپ نے فرمایا کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ تم تمام جنت والی عورتوں کی یا یہ فرمایا کہ تمام مسلمانوں کی سردار ہوگی، پس اس وجہ سے میں ہنسی۔

پہلی میں ہنسنے کا سبب یہ بتلایا ہے کہ آپ کے قرابت داروں میں سے پہلے وہی عالم ارواح میں آپ سے ملیں گی اور دوسری میں سبب ہنسنے کا خاتونان جنت کی سرداری کی بشارت بتایا گیا ہے۔راوی نے کسی حدیث میں یہ نہیں بتایا کہ حضرت فاطمہ

رضی اللہ عنہا کی جو تین سگی بہنیں ان سے پہلے عالم ارواح میں پہنچ چکی تھیں وہ ان سے پہلے اپنے والد ماجد سے کیوں نہ ملیں گی'' (ص۲۴۹)

مگر عباسی صاحب کو کون سمجھائے کہ مفارقت کے سبب صدمہ زندوں کو ہوا کرتا ہے اس لیے ان کو ہی ملاقات کی خوشخبری سے تسلی دینے کی ضرورت ہوتی ہے، نہ وفات شدہ کو۔ اس حدیث کا روئے سخن زندہ قرابت داروں کی طرف ہے، باقی رہا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہنسنے کا سبب تو حدیث میں جن دو سببوں کا تذکرہ ہے وہ دونوں سبب ہوسکتے ہیں اور دونوں میں بڑی مناسبت ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے بعد جلدی ملاقات کے مژدہ کے ساتھ خاتونان جنت کی سرداری کی خوشخبری بھی سنادی۔ مگر عباسی صاحب ایک کو دوسرے کے منافی سمجھ کر رد کرنے کے درپے ہیں۔

ترمذی شریف کے متعلق

عباسی صاحب ترمذی شریف کے بارہ میں بھی ایک جگہ رقمطراز ہیں:

''سیداشباب اھل الجنۃ'' کی حدیثیں بھی امام بخاری اور امام مسلم نے یقیناً زمرہ موضوعات میں قرار دے کر صحیحین میں درج نہیں کیں اور نہ بعد میں کسی وراق کو اندارج کا موقع ملا، امام بخاری کی وفات سے تقریباً ۲۴ برس بعد محدث ابوعیسیٰ محمد ترمذی متوفی ۲۷۹ھ نے یہ وضعی حدیثیں اپنی کتاب میں البتہ درج کردیں (ص۲۴۴)

لیکن امام بخاری اور امام مسلم ''سیداشباب اھل الجنۃ'' کی حدیث اپنی اپنی صحیح میں درج بھی کر لیتے تو کیا عباسی صاحب سے یہ امید تھی کہ وہ اس کو تسلیم کر لیتے اور اس کو اپنی ''تحقیق وریسرچ'' کی خراد پر چڑھا کر وضعی نہ قرار دیتے جیسا کہ انہوں نے حدیث ''سیدۃ نساء اھل الجنۃ'' کو باوجودیکہ وہ بخاری میں موجود ہے وضعی قرار دے دیا۔

عباسی صاحب کی یہ بھی عجیب تحقیق وریسرچ ہے کہ امام بخاری المتوفی ۲۵۶ھ

اور محدث ابو عیسیٰ محمد ترمذی متوفی ۲۷۹ھ کی وفات کے زمانہ میں ۲۴ سال کے فرق ہونے سے انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ امام ترمذی نے یہ وضعی حدیثیں امام بخاری کی وفات کے تقریباً ۲۴/ سال بعد اپنی کتاب میں درج کرلیں ، حالانکہ محدث ابو عیسیٰ محمد ترمذی نے اپنی کتاب جس میں یہ حدیث درج ہے ان کی اپنی وفات سے ... برس پہلے تالیف کرلی تھی۔

ناظرین کرام غور فرمائیں گے کہ مؤلف نے بخاری شریف کی حدیث ''سیدة نساء اهل الجنة'' کے ساتھ کیا رویہ اختیار کیا ہے ایک جگہ تو اس کے بغیر اسناد تعلیقاً روایت ہونے پر اس کے متعلق یہ حکم صادر کردیا کہ وہ کاتب کا اضافہ ہے ، حالانکہ تعلیقات بخاری بھی محدثین کے نزدیک حکم میں متصل کے ہیں مگر عباسی صاحب کو محدثین سے کیا غرض اور ان کے اصولوں سے انہیں کیا واسطہ ہے اور یہ بھی تو دیکھیے کہ اس اضافہ پر انہوں نے کونسی دلیل بیان کی ہے ؟ کیا بخاری کے کسی دوسرے نسخے میں یہ الفاظ موجود نہیں ہیں ؟

اور اب تک جب کسی محدث اور شارح نے اس پر تنبیہ نہیں فرمائی کہ یہ اضافہ ہے تو اس کو اضافہ کیسے کہا جاسکتا ہے ، اس طرح تو ہر جگہ اضافہ کا احتمال ہو کر پوری کتاب سے ہی اعتماد اٹھ جاتا ہے ، مگر اب آکر غلطی کی اصلاح کی تو عباسی صاحب نے کی ، جن کو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ بخاری میں تعلیقات بھی ہوتی ہیں بلکہ وہ تعلیق (بغیر اسناد کے ذکر کرنے) کو کاتب کا اضافہ سمجھتے ہیں ۔ بریں علم و دانش بباید گریست

اس طرح تو بخاری شریف میں بہت جگہ اضافات ثابت ہوسکتے ہیں کیونکہ اس میں تعلیقات بھی کثرت سے ہیں۔ طرفہ تماشا یہ کہ دوسری جگہ جب بخاری شریف میں ہی یہ حدیث سند کے ساتھ آئی ہے تو اس کو تمسخر اور استہزاء کے ساتھ رد کردیا اور ص ۲۵۲ پر تو اس کو صاف طور سے وضعی حدیثوں میں شمار کرلیا جیسا کہ اوپر گذرا۔

حقیقت یہ ہے کہ بخاری شریف کے ص ۵۱۲ پر یہ حدیث ''سیدۃ نساء اھل الجنۃ'' اسناد کے ساتھ پہلے گذر چکی ہے پھر ص ۵۳۲ پر اس کو بخاری نے تعلیقاً بغیر اسناد کے ذکر کر دیا ہے کیونکہ بخاری کا طریقہ ہے کہ وہ کسی حدیث کو بغیر اسناد کے ذکر کر دیتے ہیں ہیں جس سے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے کہ یہ حدیث معلوم ہے اور اس کا ذکر گذر چکا ہے، مقدمہ بخاری میں ہے:

''وقد یذکر المتن بغیر اسناد وقد یورد معلقاً وانما یفعل ھٰذا لانه اراد الاحتجاج للمسألة التی ترجم بھا واشار الٰی الحدیث لانه کان معلوماً وقد یکون مما تقدم وربما تقدم قریباً''۔ (ص ۵) کبھی متن کو بغیر سند کے ذکر کرتے ہیں اور کبھی تعلیقاً اور یہ اس لیے کہ وہ مسئلہ مترجم بہا پر دلیل کے طور پر اس کو ذکر کرتے ہیں اور حدیث کی طرف بھی اشارہ مقصود ہوتا ہے۔

درود شریف میں آل محمد کے ہونے کا انکار کرنا

ایک اور جگہ اپنی اس تحقیق ''سید و سادات'' میں عباسی صاحب لکھتے ہیں کہ ''درود میں خواہ تشہد کا ہو یا عام درود آل محمد کا شمول عہد صحابہ میں ثابت نہیں'' (ص ۲۸۲)

آگے چل کر لکھتے ہیں:

''اسی طرح دیگر صحابہ ابوہریرہ، ابوموسی الاشعری، ابن زبیر رضی اللہ عنہم، نیز ام المؤمنین (حضرت) عائشہ رضی اللہ عنہا کے تشہدات بھی کتب احادیث میں درج ہیں، مروجہ درود ان میں سے کسی میں شامل نہیں کیونکہ اصلی درود تو خود التحیات ہی کی عبارت میں شامل ہے ... التحیات کا یہ درود ''صلوا علیه وسلموا تسلیما'' کی صحیح صحیح تعمیل ہے، صحابہ آپ کی حیات میں یہی پڑھتے تھے جب آپ کی وفات ہو گئی ضمیر خطاب ترک کر کے ''السلام علی النبی ورحمة اللہ وبرکاته'' پڑھنے لگے'' (ص ۳۱۱)

دیکھا آپ نے التحیات کے بعد نمازوں میں ''اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد'' الخ کے الفاظ سے جو درود شریف تمام امت مسلمہ پڑھتی ہے اور اس میں آل محمد کا کلمہ شامل ہے مگر عباسی صاحب کے نزدیک اس پر امت کے تعامل وتوارث کے باوجود اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے کیونکہ ان کے نزدیک اصلی درود تو التحیات ہی کے اندر ''السلام علیک ایھاالنبی'' میں شامل ہے اور اسی سے عباسی صاحب کے نزدیک حکم خداوندی ''صلواعلیه وسلموا تسلیما'' کی صحیح صحیح تعمیل ہوجاتی ہے التحیات میں ''السلام علیک ایھاالنبی ورحمة الله وبرکاته'' سے ''سلمواتسلیما'' کی تعمیل کا ہوجانا تو واقعی امر ہے اور سمجھ میں بھی آتا ہے کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کیا جاتا ہے جس کا حکم ''سلمواتسلیما'' میں دیا گیا ہے مگر اس سے '' صلوا علیه'' صلوۃ عرض کرنے کی تعمیل کا بھی ہوجانا عباسی صاحب کا اپنا خود ساختہ اجتہاد ہے جو تمام امت مسلمہ کے خلاف ہے۔

حکم عرض صلاۃ کی تعمیل تو'' اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد'' الخ درود شریف کے پڑھنے سے ہی ہوگی جیساکہ تمام امت درود شریف کے ذریعہ تعمیل کرتی ہے ، مگر عباسی صاحب کو اس کی کچھ پرواہ نہیں ہے کہ ان کا اجتہاد تمام امت مسلمہ کے اجماع کے خلاف ہے یا موافق ہے اسی واسطے وہ ایک جگہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کے اجماعی اور قطعی عقیدہ کے انکار کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔

امام مہدی اور نزول عیسیٰ اور قتل دجال کا انکار

عباسی صاحب لکھتے ہیں:

''ہمیں امامیہ (شیعہ) کے مہدی منتظر کی تردید وتکذیب سے تو یہاں بحث نہیں اور نہ عوام میں جو یہ بات مشہور کر رکھی ہے کہ قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ آسمان سے

اتریں گے ، مہدی کی معیت میں دجال کو قتل کریں گے یہ باتیں بھی ہمارے موضوع سے خارج ہیں ،قرآن شریف میں نہ تو مہدی کا ذکر ہے اور نہ نزول عیسیٰ کا'' (تحقیق سید وسادات ص ۲۰۸، ۲۰۹)

آپ کو معلوم ہوا کہ عباسی صاحب کو نہ صرف یہ کہ امامیہ کے مہدی منتظر کی تردید وتکذیب سے ہی بحث نہیں بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے اترنے اور مہدی کی معیت میں دجال کو قتل کرنا بھی ان کے موضوع بحث سے خارج ہے ان کے نزدیک مہدی کے ذکر سے ہی نہیں بلکہ نزول عیسیٰ کے ذکر سے بھی قرآن کریم خالی ہے ، اور جس مسئلہ کا ذکر قرآن شریف میں نہیں ہے عباسی صاحب اس کے ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں اور احادیث میں جو یہ آیا ہے کہ ''قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے مہدی کی معیت میں دجال کو قتل کریں گے ''تو عباسی صاحب کے نزدیک یہ بات عوام میں مشہور کر رکھی ہے اس کی ان کے نزدیک کچھ حقیقت نہیں ، احادیث کے بارہ میں عباسی صاحب کا نظریہ منکرین حدیث پرویزی وغیرہ کے کس قدر مطابق ہے ناظرین کو اس کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں ہے ، اس سے زیادہ اور کیا کہتے ہیں، پھر اب عباسی صاحب کے منکر حدیث ہونے میں کیا شبہ رہا؟۔

درود شریف میں آل محمد کے انکار کی دلیل کا جواب

درود شریف میں آل محمد کے ہونے کا انکار کرتے ہوئے اور اس کو اضافہ ثابت کرتے ہوئے عباسی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے:

''شرح مسلم میں ابو مسعود انصاری کی حدیث جو پہلے درج ہو چکی ہے آپ سے جو یہ ارشاد منسوب ہے کہ ''اللّٰھُمَّ صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد'' کہو اس میں ''آل محمد'' کا اضافہ ہے اور راوی اس حدیث کا ابو عبداللہ الحکم بن عبداللہ بن سعد الایلی ہے ،

اس کی دوسری حدیث الہیثمی کے ''مجمع الزوائد اور منبع الفوائد'' میں بھی ہے ، ابوحاتم نے اس راوی کو کذاب کہا ہے ، امام احمد فرماتے ہیں ''احادیثه کلهاموضوعة'' (میزان الاعتدال ج ا ص ۲۶۸، ص ۵۸۲، تحقیق سید وسادات ص ۳۱۲)

اور یہ بھی لکھا ہے کہ: ''مسلم شریف کی شرح میں ''النووی'' نے جو خود شافعی عالم تھے بدری صحابی حضرت مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث درج ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے جب دریافت کیا تھا کہ صلاۃ آپ پر ہم کیسے کہیں ؟ آپ نے فرمایا کہو ''اللهم صل علیٰ محمد'' اس میں آل محمد کا شمول نہیں تھا، چنانچہ نووی فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب کے نزدیک درود بس اسی قدر ہے اور آل محمد کا اس میں شمول کوئی چیز نہیں لیس بشیء'' (ص ۲۸۰)

اس کے متعلق گذارش ہے کہ علامہ نووی نے شرح مسلم میں ابو مسعود انصاری کی حدیث کے تحت پہلے تو یہ لکھا ہے کہ تشہد (التحیات) اخیرہ کے بعد درود شریف کے بارہ میں علماء کا یہ اختلاف ہے کہ بعض کے نزدیک درود شریف پڑھنا سنت ہے اور بعض کے نزدیک واجب ہے ، امام ابوحنیفہ اور امام مالک اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ یہ سنت ہے اور امام شافعی اور امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ واجب ہے اگر اس کو چھوڑ دیا جائے تو ان کے نزدیک نماز ہی صحیح نہیں ہوگی ، اس کے بعد علامہ نووی فرماتے ہیں کہ نماز میں تشہد کے بعد درود کے وجوب پر جو ہمارے اصحاب نے حدیث ابو مسعود انصاری سے استدلال کیا ہے یہ استدلال اس وقت تک واضح نہیں ہوتا جب تک کہ اس حدیث کے ساتھ اس دوسری روایت '' کیف نصلی علیک اذانحن صلیناعلیک فی صلوٰتنافقال صلی اللہ علیه وسلم قولواااللهم صل علیٰ محمدوعلیٰ آل محمدالخ'' کو نہ ملایا جائے کیونکہ اس روایت میں یہ بات صاف طور پر واضح کردی گئی ہے

کہ یہ سوال نماز کے اندر درود شریف پڑھنے کے متعلق صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیا تھا اور یہ زیادتی ''اذا نحن صلینا علیک فی صلوٰتنا'' جو اس دوسری روایت میں ہے اس کے متعلق بھی نووی نے فرمایا ہے کہ یہ صحیح ہے، ابوحاتم ابن حبان اور حاکم ابوعبداللہ نے اپنی اپنی صحیح میں اس کو روایت کیا ہے اسکے بعد علامہ نووی فرماتے ہیں ''والواجب عندا صحابنا اللّٰھُمَّ صل علٰی محمد ومازاد علیه سنة'' ہمارے نزدیک واجب ''اللّٰھُمَّ صل علٰی محمد'' ہے اور اس سے زیادہ سنت ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ''اللّٰھُمَّ صل علٰی محمد'' تک پڑھنا ان کے نزدیک نماز کے اندر واجب ہے اور ''وعلٰی آل محمد'' سے آخر تک پڑھنا سنت ہے، اب عباسی صاحب بتلائیں کہ وہ جو امام نووی کے ذمہ یہ تہمت لگا رہے ہیں کہ وہ ''آل محمد'' کے شمول کو کہتے ہیں کہ یہ ''کوئی چیز نہیں'' ہے اس کا ان کے پاس کیا ثبوت ہے؟ جس چیز کو امام نووی اگلی عبارت میں ''لیس بشئ'' فرما رہے ہیں اس کا تعلق تو ''اللّٰھُمَّ صل علٰی محمد'' کے بعد ''آل محمد'' کے بطور وجوب شامل کرنے سے ہے، یعنی یہ کوئی چیز نہیں کہ ''آل محمد'' کا پڑھنا بھی ''اللّٰھُمَّ صل علی محمد'' کے بعد ''آل محمد'' کی طرح نماز کے اندر واجب ہے جیسا کہ ایک شاذ قول شوافع کا یہ بھی ہے کہ صلوۃ علی محمد کی طرح صلوٰۃ علی الآل بھی نماز میں واجب ہے، امام نووی فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب کے نزدیک واجب صرف ''اللّٰھُمَّ صل علی محمد'' تک پڑھنا ہے اور ''آل محمد'' سے آخر تک پڑھنا سنت ہے اور وجوب صلوٰۃ علی الآل کا قول شاذ ہے

''ولنا وجه شاذ انه یجب الصلٰوة علی الآل ولیس بشیئ'' (ج ا ص ۱۷۵)

جب امام نووی نماز میں ''آل محمد'' سے آخر تک پڑھنے کو پہلی عبارت میں میں صراحۃً سنت فرما چکے ہیں تو پھر ان کے '' لیس بشیئ'' فرمانے سے ''آل

محمد'' کے اضافہ ہونے کا اور اس کے شمول کا کوئی چیز نہ ہونا کیسے ثابت ہوسکتا ہے ؟

''اور ہمارا ایک شاذ قول یہ ہے کہ ''آل'' پر صلاۃ واجب ہے مگر یہ کچھ نہیں'' حاصل یہ کہ شوافع کے نزدیک صلوۃ علی محمد تو بالاتفاق نماز میں واجب ہے اور صلاۃ علی الآل کے نماز میں واجب یا سنت ہونے میں اختلاف ہے راجح اس کا سنت ہونا ہے ، بعض نے اس کو بھی واجب کہا ہے ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ صلوۃ علی الآل کا نماز میں بعض کے نزدیک سنت سے بھی زائد درجہ واجب کا تو ثابت ہے ، مگر ''لیس بشیئ'' کسی نے نہیں کہا ہے ۔ اب یا تو عباسی صاحب نے کم فہمی سے علامہ نووی کی عبارت کا مطلب خود ہی غلط سمجھا ہے یا پھر انہوں نے دیدہ دانستہ ناواقف لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنے کی کوشش کی ہے۔

اب رہا عباسی صاحب کا یہ کہنا کہ ''شرح مسلم میں ابو مسعود انصاری کی حدیث جس میں'' اللّٰھُمَّ صل علی محمد وعلیٰ اٰل محمد'' کہنے کا حکم ہے ۔ اس میں ''آل محمد'' کا اضافہ ہے اور اس حدیث کا راوی ابو عبداللہ الحکم بن عبداللہ بن سعد الایلی بن خطاف ہے اور وہ کذاب ہے''۔

سو شرح مسلم میں تو ہرگز اس حدیث کا راوی ابو عبداللہ الحکم بن عبداللہ بن سعد الایلی بن خطاف نہیں ہے بلکہ اس میں اس حدیث کے راوی وہی ہیں جو ''خود مسلم شریف'' میں ہیں ۔ اس لیے کہ یہ حدیث ''صحیح مسلم شریف'' کی ہے اور اس کی سند ''مسلم شریف'' میں اس طرح ہے ''حدثنا یحی بن یحی التیمی قال قرأت علیٰ مالک عن نعیم بن عبداللہ المجران محمد بن عبداللہ بن زید الانصاری عبداللہ بن زید ھو الذی کان رأی النداء بالصلاۃ اخبرہ عن ابی مسعود الانصاری الخ'' (ج ا ص ۱۷۵)

اس میں راوی مذکور کا کہیں بھی پتا و نشان نہیں اب اگر کسی دوسری سند میں یہ

راوی آیا بھی ہوتو اس حدیث کی صحت پر اس سے کیا اثر پڑ سکتا ہے جبکہ مسلم شریف کی سند میں یہ راوی نہیں ہے۔ عباسی صاحب نے اس راوی کا پتا نہ معلوم کس کتاب سے لگایا ہے اس کا حوالہ نہیں دیا گیا۔

دوسرے عباسی صاحب اس حدیث کو شرح مسلم کی طرف منسوب کر رہے ہیں حالانکہ یہ حدیث خود مسلم شریف میں موجود ہے اس سے وہ شاید یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح مسلم کی نہیں ہے کیونکہ اگر اس حدیث کا صحیح مسلم میں ہونا ثابت ہو جاتا ہے تو لوگوں کی نظر میں اس حدیث کی وقعت زیادہ بڑھ جاتی ہے اور درود شریف میں آل محمد کا ثبوت صحیح مسلم کی حدیث سے ہی ہو جاتا ہے اور پھر اس سے انکار کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے اس لیے اس حدیث کو شرح مسلم کی طرف منسوب کر کے اس کے وزن اور اس کی حیثیت کو کم کرنا منظور ہے۔ اگر عباسی صاحب نظر اٹھا کر شرح مسلم کی اسی صفحہ پر اوپر دیکھ لیتے تو ان کو یہ حدیث مسلم شریف میں ہی نظر آجاتی اور یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ مسلم شریف کی سند میں یہ مجروح راوی نہیں ہے اور بخاری شریف ج ۲ ص ۹۴۰ پر بھی یہ حدیث مروی ہے اس کی سند یہ ہے:

"حدثنا آدم قال حدثنا شعبة قال حدثنا الحکم قال سمعت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ قال لقینی کعب بن عجرة فقال الا اهدی لک هدیة ان النبی صلی اللہ علیه وسلم خرج علینا فقلنا یارسول اللہ قد علمنا کیف نسلم علیک فکیف نصلی علیک فقال قولوا اللهم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد الخ"

بخاری کی سند مذکور میں بھی یہ الحکم وہ مجروح راوی نہیں ہے بلکہ یہ الحکم بن عتبہ الکندی ہے ان کے بارہ میں امام نسائیؒ اور ابن مہدی کا قول ہے کہ یہ ثقہ اور ثبت ہیں

اور ابن معین اور ابوحاتم بھی ان کو ثقہ کہتے ہیں ”قال ابن مہدی الحکم بن عتبة ثقة ثبت وقال ابن معین ابوحاتم والنسائی ثقةزاد النسائی ثبة الخ“ (تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۴۳۳)

اس شخص کو دیکھ کر صحیحین کی اس متفق علیہ صحیح حدیث کو سند میں ایک مجروح روای کے ہم نام راوی کو دیکھ کر اور اس کی آڑ لے کر کس طرح لوگوں کو دھوکہ دے رہا ہے اور دلیری کے ساتھ اس کو رد کرنے کی جسارت کر رہا ہے، فالی اللہ المشتکیٰ۔

پھر عباسی صاحب صحیحین کی متفق علیہ روایت کو تو تسلیم کرنے کے دعویدار ہیں مگر اب اس متفق علیہ روایت کو تسلیم کرنے سے نہ معلوم کیوں گریز کر رہے ہیں؟ شاید اس لیے کہ حدیث ان کے نظریہ کے خلاف ہے۔

”تحقیق سیدوسادات“ کی مندرجہ اقتباسات سے عباسی صاحب کے خیالات وعقائد کا معلوم کر لینا آسان ہے کہ وہ کس نظریہ اور مکتب فکر کے آدمی ہیں کہ ان کے نزدیک احادیث رسول اور آل محمد اور تشہد کے بعد درود شریف پڑھنا، نزول عیسیٰ، ظہور مہدی اور خروج دجال کی بھی کچھ حقیقت نہیں ہے۔

عباسی صاحب کا دوسرا دعویٰ

دوسرا دعویٰ عباسی صاحب کا یہ تھا کہ: ”کربلا کا حادثہ فاجعہ یزید اور عمال یزید کے قصد وارادہ کے بغیر بالکل اتفاقی طور پر پیش آگیا“ اس کی بنیاد انہوں نے اس دعویٰ پر رکھی ہے کہ ”ابن زیاد نے حسینی قافلہ سے صرف ہتھیار رکھوانے کا حکم دیا تھا اور عمرو بن سعد نے اس غرض سے ان کے گرد گھیرا ڈالا تھا مگر حضرت حسین کے کوفی سبائی ساتھیوں نے فوجی دستہ کے سپاہیوں پر جو ہتھیار رکھوانے کی غرض سے گھیرا ڈالے ہوئے تھے اچانک حملہ کر دیا“ (خلافت ص ۲۳۹) مگر عباسی صاحب اس دعویٰ پر کوئی تسلی بخش ثبوت نہیں لا سکے؟۔

پہلا ثبوت

انہوں نے ایک توص ۲۴۰ پر ''انسائیکلوپیڈیا آف اسلام'' کے مقالہ نویسوں کا بیان اس باب میں پیش کیا ہے لیکن جب تک ان مقالہ نویسوں کی تحقیق کا ماخذ نہ معلوم ہو ان کا بیان قطعاً حجت نہیں، دوسرے یہ کہ عباسی صاحب پہلے لکھ آئے ہیں کہ:

''اور سینکڑوں خطوط بھیجنے والوں اور خروج پر آمادہ کرنے والوں کا پتہ ہی نہ چلا کہ کہاں ہیں اور کیا ہوئے'' (ص ۲۰) اس لیے کوفیوں کا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ہمراہ اور رفیق سفر کا دعویٰ درست نہیں معلوم ہوتا اور اگر بالفرض یہ تسلیم کرلیا جائے کہ کچھ کوفی آپکے ہمراہ تھے پھر بھی ان کو عدم صلح اور اشتعال جنگ کے بارہ میں اپنے پیشرو سبائیوں پر قیاس کرنا اور یہ لکھنا کہ ''وہ اپنی خیر اسی میں سمجھتے تھے کہ صلح و مصالحت نہ ہونے پائے'' قیاس مع الفارق ہے، اس لیے کہ جنگ جمل میں مصالحت کی صورت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص سے بچنے کی کوئی صورت ان کو نظر نہیں آرہی تھی قصاص سے بچنے کی خاطر آتش جنگ کو مشتعل کرنا ان کے لیے ضروری تھا صلح ان کے لیے پیغام موت تھی لیکن یہاں صورت حال بالکل برعکس تھی جنگ کی صورت میں قلت تعداد اور بے سروسامانی کی وجہ سے سخت مصائب کا سامنا تھا فتنہ انگیز اور اشتعال دلانے والے عناصر کو خود کو ایسے صبر آزما حالات میں پھنسانے کے لیے از خود تیار ہوجانا بالکل غیر معقول بات ہے، اس قدر تفاوت اور فرق کے ہوتے ہوئے ان کو پہلوں پر قیاس کر کے جنگ کی تمام تر ذمہ داری حضرت حسین کے ساتھیوں پر ڈال کر ابن زیاد وغیرہ کی براءت ثابت کرنا حقائق پر پردہ پوشی کے سوا اور کیا کہا جائے؟ کیا اسی فریب کاری کا نام ریسرچ ہے؟۔

دوسرا ثبوت

دوسرا ثبوت وہ یہ دیتے ہیں کہ: ''حسینی قافلے کے بہتر (۷۲) مقتول ہوئے جن

میں اکثر و بیشتر جنگ آزمودہ نہ تھے اور فوجی دستے کے جنگ آزمودہ سپاہی اٹھاسی (۸۸) مارے گئے'' (خلافت ص ۲۴۱)

عباسی صاحب کے نزدیک یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ فوجی دستہ صرف مدافعت کرتا رہا لیکن یہ بھی جتنا بے جان ثبوت ہے ظاہر ہے اور شاید عباسی صاحب کو یاد نہیں رہا کہ وہ اپنے ثبوت کی جڑ پہلے ہی کاٹ آئے ہیں ص ۱۳۱ پر وہ لکھ آئے ہیں کہ '' عالم اسلام کا ہر فرد پوری طرح مسلح تھا اور اکثر و بیشتر ماہر حرب وضرب '' اور اس سے بڑھ کر خاص ان اہل قافلہ کی تو دلیری اور شجاعت وشہامت کا بھی وہ بڑے زور وشور سے اثبات کر آئے ہیں (ص ۱۸۰)

ویسے بھی اگر وہ اکثر و بیشتر جنگ آزمودہ نہ تھے عمرو بن سعد کی فوج کے لیے ان کا مقابلہ کرنا ہی کیوں ضروری ہوا ان کو ویسے ہی گرفتار کر لیا ہوتا یہ خود ان کے ماہر حرب وضرب ہونے کی دلیل ہے۔ غرضیکہ عباسی صاحب نے یہ ایک نرالا دعویٰ کیا ہے مگر وہ اس کا کوئی قابل توجہ ثبوت فراہم نہیں کر سکے ایسی حالت میں اس پر اصرار کرنا یزید اور عمال یزید کی بے جا حمایت اور پاسداری کا ثبوت مہیا کرنے کے سوا اس کا اور کیا نام رکھا جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور یزید کے نزاع میں عباسی صاحب کو انکے شدید تعصب نے حق وانصاف کے پا لینے سے باز رکھا اور وہ جادۂ اعتدال سے دور ہو گئے اسی طرح مظالم کربلا کی تاریخی طور پر وضعیت ثابت کرنے کے لیے انہوں نے جو بنیاد فراہم کی ہے وہ بھی بہت ہی کمزور اور خالص تحکم کا درجہ رکھتی اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ واقعہ کربلا کے سلسلہ میں روایات کا تانا بانا تیار کرنے میں تعصب کی شدید دخل اندازی ہوتی ہے اور اس لیے ان کو اصول نقد و درایت پر پرکھے بغیر ان پر اندھا دھند اعتماد نہیں کر لینا چاہیے مگر اس کی تردید کرنے میں عباسی صاحب نے جس بے جا موشگافیوں

اور دوراز کار قیاس آرائیوں سے کام لیا ہے ان سے بھی حامیان یزید کے ساتھ عباسی صاحب کی بے جا ہمدردی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ شدید تعصب کے ثبوت فراہم ہونے کے علاوہ اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

تحقیق مزید درباره لعنت بر یزید

یزید کے بارہ میں علماء کا اختلاف قدیم سے ہے بعض علماء نے تو حدیث بخاری

"قال النبی صلی اللہ علیه وسلم اول جیش من امتی یغزون مدینة قیصر مغفورلهم" میری امت کا جو پہلا لشکر قیصر کے شہر کا جہاد کرے گا ان لوگوں کے لیے مغفرت ہو چکی۔ کی وجہ سے اس کو مغفور کہا ہے کیونکہ مدینہ قیصر پر جو اول غزوہ ہوا تھا اس میں اجلہ صحابہ کے ہمراہ یزید بھی تھا جیسا کہ قسطلانی میں ہے:

"کان اول من غزا مدینة قیصر یزید بن معاویة ومعه جماعة من سادات الصحابة کابن عمر وابن عباس وابن الزبیر وابی ایوب الانصاری وتوفی بها ابوایوب سنة اثنین وخمسین من الهجرة کذا قاله فی الخیر الجاری وفی الفتح قال المهلب فی هٰذا الحدیث منقبة لمعاویة لانه اول من غزا البحر ومنقبة لولده لانه اول من عزا مدینة قیصرا انتهی" (بخاری ج ا ص ۴۱۰ حاشیہ ۲)

ترجمہ: مدینہ قیصر پر پہلا لشکر کشی کرنے والا یزید بن معاویہ ہے اور اس کے ساتھ کبار صحابہ کی جماعت تھی جیسے ابن عمر، ابن عباس، ابن زبیر اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم، اور حضرت ابوایوب انصاری کا تو اسی مقام پر ۵۲ ھ میں وصال ہوا، اسی طرح خیر الجاری میں ہے۔ اور فتح الباری میں ہے مہلب کہتے ہیں کہ اس حدیث میں حضرت معاویہ کی منقبت ہے کہ کیونکہ وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے بحری جنگ کی اور ان کے

بیٹے کی بھی منقبت ہے اس لیے کہ وہی ہے جس نے پہلے پہل مدینہ قیصر پر لشکر کشی کی۔

اور بعض علماء نے اس کی تکفیر کی ہے اور اس کو ملعون کہا ہے اس کی دلیل اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ ارشاد ہے "فهل عسيتم ان توليتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامكم اولٰئک الذين لعنهم الله فاصمهم واعمىٰ ابصارهم الآية"

ترجمہ: پھر تم سے یہ بھی توقع ہے اگر تم کو حکومت مل جاوے تو خرابی ڈالو ملک میں اور قطع کرو اپنی قربتیں یہ ایسے لوگ ہیں جن پر لعنت کی اللہ نے پھر کر دیا ان کو بہرا اور اندھی کر دیں ان کی آنکھیں۔

''تفسیر مظہری'' مصنفہ مولانا قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی میں ہے:

"قال ابن الجوزی انه روى القاضی ابويعلىٰ فی كتابه المعتمد الاصول بسنده عن صالح بن احمدبن حنبل انه قال قلت لابی يابت يزعم بعض الناس انانحب يزيدبن معاوية فقال احمد يابنی هل يسوغ لمن يؤمن بالله ان يحب يزيدولم لا يلعن رجل لعنه الله فی كتابه قلت يابت اين لعن الله يزيد فی كتابه قال حيث قال فهل عسيتم الآية۔

(مظہری ج ۸ ص ۴۳۴)

ترجمہ: ابن جوزی نے فرمایا کہ قاضی ابویعلیٰ نے اپنی کتاب ''معتمد الاصول'' میں اپنی سند کے ساتھ جو صالح بن احمد بن حنبل سے ہے، روایت کیا ہے کہ میں نے اپنے والد سے عرض کیا کہ اباجان بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم یزید بن معاویہ سے محبت کرتے ہیں، امام احمد نے فرمایا کہ بیٹے جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اس کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ یزید بن معاویہ سے دوستی رکھے، اور ایسے شخص پر کیونکر لعنت نہ کی جائے جس پر خود حق

تعالیٰ نے اپنی کتاب میں لعنت فرمائی ہے ، میں نے کہا ابا جان ! اللہ نے اپنی کتاب میں یزید پر کہاں لعنت کی ہے؟ فرمایا اس موقع پر جہاں یہ ارشاد ہے فہل عسیتم الخ۔

لیکن تحقیق یہ ہے کہ جب تک کسی شخص کی موت کا کفر پر ہونا دلیل قطعی سے ثابت نہ ہوجائے اس وقت تک اس کی تکفیر اور اس پر لعنت نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اس صورت میں لعنت کرنے والے پر لعنت کے واپس لوٹنے کا اندیشہ ہے اس لیے کہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ جب کسی پر لعنت کی جاتی ہے اگر وہ اس لعنت کا مستحق نہیں ہوتا تو وہ لعنت اس کے قائل پر لوٹ آتی ہے (العیاذ باللہ) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ لعنت کے معنیٰ ہیں خدا کی رحمت سے دور ہونا اور یہ امر وحی کے بتلائے بغیر کیسے معلوم ہوسکتا ہے کہ فلاں شخص خدا کی رحمت سے دور ہے۔

اب بلا دلیل اگر یزید کے متعلق دعوی کیا جائے کہ وہ خدا کی رحمت سے دور ہے تو اس میں خطرۂ عظیم ہے البتہ اگر وحی کے ذریعہ بھی اس کا رحمت سے دور ہونا معلوم ہوجاتا تو فرعون ، قارون اور ہامان کی طرح اس پر بھی لعنت کرنا جائز ہوتا۔

مگر چونکہ کلام باری تعالیٰ اور دوسری نصوص شرعیہ میں نوع ظالمین اور قاتلین مسلم پر لعنت ہے کما قال اللہ تعالیٰ "الا لعنۃ اللہ علی الظالمین، الآیۃ، ومن یقتل مؤمناً متعمداً فجزاء ہ جہنم خالداً فیہا وغضب اللہ علیہ ولعنہ الآیۃ" اور آیت مذکور "فہل عسیتم الآیۃ" میں بھی مفسدین اور قاطعین کی نوع پر ہی لعنت آئی ہے ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر یوں کہا جائے کہ قاتل اور آمر و راضی بقتل حسین پر لعنت ہے تو جائز ہے اس قید سے کہ اگر وہ بغیر توبہ کے مرا ہو اور یہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ کون اس ظلم میں داخل ہے اور کون اس سے خارج ہے اب جن اکابر کے نزدیک روایات اور اخبار اور قرائن سے یہ محقق ہوگیا ہے کہ یزید ان مظالم سے راضی

اور خوش تھا اور بدوں توبہ کے مرگیا وہ اس پر لعن کے جواز کے قائل ہیں اور جو علماء اس میں تردد رکھتے ہیں وہ بوجہ حدیث ''منع لعن مسلم'' کے لعن سے منع کرتے ہیں۔ پس جواز اور عدم جواز لعن کا مدار تاریخ اور واقعات کی تحقیق پر ہے۔

اس مسئلہ کی تحقیق فتاویٰ رشیدیہ اور امداد الفتاویٰ میں دیکھی جائے۔ اس تحقیق کے آخر میں حضرت گنگوہی نے فرمایا ہے: ''اور ہم مقلدین کو احتیاط سکوت (خاموشی) میں ہے کیونکہ اگر لعن جائز ہے تو لعن نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں، لعن نہ فرض ہے، نہ واجب نہ سنت، نہ مستحب محض مباح ہے۔ اور جو وہ محل نہیں تو خود مبتلاء ہونا معصیت کا اچھا نہیں'' (فتاویٰ رشیدیہ ص ۳۹)

حدیث ''مغفور لھم''

یزید پر جس طرح لعنت کرنا اپنے کو خطرے میں ڈالنا ہے اسی طرح اس کے مغفور ہونے کا یقینی اور قطعی حکم لگانا بھی سخت زیادتی ہے کیونکہ اس کی مغفرت کی بھی یقینی طور پر کوئی نص صریح نہیں ہے، تو اب صرف کلیات مغفرت میں داخل کرکے اس کی مغفرت کا حکم لگایا جائے گا، جو محض ظنی ہوگا قطعی نہ ہوگا جیسا کہ کلیات لعنت میں اس کا داخل ہونا بھی ظنی ہے اس لیے یزید کے بارہ میں معتدل اور متوسط فیصلہ وہ ہے جو حکیم الامت حضرت تھانوی نے کافی بسط اور تحقیق کے بعد تحریر فرمایا ہے، فرماتے ہیں:

''پس توسط اس امر میں یہ ہے کہ اس (یزید) کے حال کو مفوض بعلم الٰہی کرے (خدا کے سپرد کرے) اور خود اپنی زبان سے کچھ (برا) نہ کہے لان فیہ خطراً (کیونکہ برا کہنے میں خطرہ ہے) اور اگر کوئی اس (یزید) کی نسبت کچھ (برا) کہے تو اس سے کچھ تعرض نہ کرے (اس کو روکے نہیں) لان فیہ نصراً (کیونکہ برا کہنے والے کو روکنے میں یزید کی حمایت ہے)

(امداد الفتاویٰ مبوب ج ۵ ص ۴۲۴)

''مسایرہ'' اور اس کی شرح ''مسامرہ'' میں بھی یزید کی تکفیر اور عدم تکفیر کے دونوں قول لکھنے کے بعد اس بارہ میں توقف کو ہی اسلم کہا ہے:

''(وحقیقةالامر)ای الطریقةالثابتةفی شانه (التوقف فیه ورجع امره الی اللهسبحانه)لانه عالم الخفیات والمطلع علیٰ مکنونات السرائروهواجس الضمائرفلایتعرض لتکفیره اصلاً وهذاهوالاسلم (ص۳۱۸مسامره) طریقہ ثابتہ اور صحیحہ یزید کے متعلق توقف کا ہی ہے اس کا معاملہ حق تعالیٰ کے سپرد کرنا ہی بہتر ہے جو سب حقائق سے واقف ہیں، اسلم طریقہ یہی ہے کہ اس کی تکفیر نہ کی جائے۔

رہا حدیث غزوہ قسطنطنیہ سے مغفرت یزید پر استدلال کرنا سو وہ بالکل ضعیف ہے کیونکہ اول تو وہ مشروط ہے شرط وفات علی الایمان کے ساتھ اور یہ امر مجہول ہے کہ اس کی وفات ایمان پر ہوئی ہے یا نہیں۔ یا اس سے یہ مراد ہے کہ ''اس جہاد میں شرکت کرنے والوں کی اول وہلہ میں مغفرت ہو کر داخلہ جنت کا استحقاق حاصل ہو جائے گا، یا یہ مراد ہے کہ اس مہم میں شریک ہونے والوں کی آخر کار نجات ہو جائے گی، خواہ مؤاخذہ کے بعد ہی یہ مغفرت حاصل ہو۔

چنانچہ علامہ قسطلانی نے مہلب کے قول مذکور کے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

''وتعقبه ابن التین وابن المنیرلماحاصله انه لایلزم من دخوله فی ذلک العموم ان لایخرج بدلیل خاص اذلایختلف اهل العلم ان قولهﷺ مغفورلهم مشروط بان یکونوا من اهل المغفرةحتیٰ لوارتد احدممن غزاهابعدذٰلک لم یدخل فی ذٰلک العموم اتفاقاًفدل علیٰ ان المرادمغفورلمن وجد شرط المغفرةفیه منهم'' (حاشیہ بخاری ج۱ ص۴۱۰)

اور ابن التین اور ابن المنیر نے مہلب کے اس قول کی تردید کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یزید کے اس عموم میں داخل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کسی دوسری خاص دلیل کی وجہ سے اس سے خارج ہی نہیں ہوسکتا کیونکہ اہل علم میں سے کسی کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضور ﷺ کا یہ قول ''مغفور لھم'' (جہاد قسطنطنیہ کے سب شرکاء بخش دیے گئے) اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ یہ لوگ مغفرت کے اہل ہوں یہاں تک کہ اگر کوئی شخص اس غزوہ کے بعد ان میں سے مرتد ہوجائے تو وہ بالاتفاق اس بشارت میں داخل نہیں رہے گا اس سے صاف واضح ہے کہ حدیث کی مراد یہ ہے کہ ان میں سے جن افراد میں مغفرت کی شرط پائی جائے گی وہ ہی مغفور ہوں گے۔

مہلب کو قول مذکور کے بعد اس عبارت کو عباسی صاحب نے ''حمایت یزید'' کا حق ادا کرنے کے لیے چھوڑ دیا ہے اور منقبت یزید کے اثبات کے لیے مہلب کے قول سے استدلال کرتے ہوئے یہ تأثر دینے کی کوشش کی ہے کہ علامہ ابن حجر نے اس قول کو منقبت یزید پر بطور استدلال پیش فرمایا ہے حالانکہ اس قول کے نقل فرمانے کے بعد ابن التین اور ابن المنیر کے تعقب پیش کرنے سے علامہ ابن حجر کا مقصد ہی اس قول کی تردید کرنی ہے کہ حدیث کے جملہ ''مغفور لہم'' کے عموم میں داخل ہونے کی وجہ سے یزید کی منقبت اور فضیلت ثابت ہورہی ہے، اس کا حاصل مطلب بھی یہی نکلا کہ ''مغفور لہم'' میں مغفرت مشروط ہے شرط وفات علی الایمان کے ساتھ اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ اگر اس غزوہ میں شریک ہونے والے کسی شخص کا ارتداد (نعوذ باللہ منہ) ثابت ہوجائے تو وہ اس بشارت مغفرت میں داخل نہیں رہے گا۔

دوسرے شرط مغفرت علی الایمان کے متحقق ہونے کے بعد بھی قابل غور یہ بات ہے کہ اس حدیث سے جہاد قسطنطنیہ میں شریک ہونے والوں کے لیے جس مغفرت

کی بشارت دی گئی ہے اس مغفرت سے کیا مراد ہے؟

اب زیادہ سے زیادہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوگا کہ ہر وہ شخص جو جہاد مذکور میں اخلاص کے ساتھ شریک ہوگا اس کی وفات ایمان پر ہوگی اور انجام کار اس کی مغفرت ہو کر دوزخ سے نجات حاصل کرلے گا۔ مگر اس سے جہاد مذکور میں شریک ہونے والے ہر شخص کی فضیلت اور منقبت پر کیسے روشنی پڑی کہ اب کسی قسم کی بد عملی اور غلط کاری کا ارتکاب ان میں سے کسی سے نہیں ہوگا؟ اور یہ کیسے ثابت ہوا کہ اس جہادی مہم میں شریک ہونے والا ہر قسم کے مؤاخذہ سے بری اور محفوظ رہے گا اور بغیر مؤاخذہ کے اس کو اول وہلہ میں مغفرت اور داخلہ جنت کا استحقاق حاصل ہوجائے گا؟ یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ ان میں سے کسی شخص پر اس کے قبیح افعال اور ناشائستہ کردار کی وجہ سے گرفت اور مؤاخذہ ہو مگر انجام کار اس بشارت مغفرت کی وجہ سے اس کو معافی مل کر مؤاخذہ سے نجات حاصل ہوجائے۔

اسی طرح یزید سے اگر بعض افعال قبیحہ اور امور منکرہ کا ارتکاب ثابت ہو تو وہ اس حدیث بشارت مغفرت کے خلاف نہیں ہے نہ یہ حدیث بلا مؤاخذہ نجات پر دلالت کرتی ہے۔ اس کی نظیر صحیحین کی وہ حدیث جس میں ارشاد ہے" من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ" تو کیا اس حدیث سے یہ ثابت کیا جا سکے گا کہ جو شخص بھی اس کلمہ طیبہ کو پڑھ لے گا اس سے اب معاصی کا صدور ہی نہیں ہو سکے گا یا اس پر اب اس کے معاصی اثر انداز نہیں ہونگے؟ اور وہ شخص صرف اس کلمہ کی وجہ سے ہی بغیر مؤاخذہ کے اول وہلہ میں ہی جنت میں داخل ہوجائے گا خواہ وہ کتنا ہی گناہوں میں ملوث کیوں نہ ہو۔ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کی اس کلمہ پر موت واقع ہوگی تو آخر کار اس کا جنت میں داخلہ ہوجائے گا خواہ معاصی اور گناہوں کی وجہ سے اس کو چندے سزا بھی بھگتنی پڑے۔

اگر صحیحین کی اس حدیث سے ہر کلمہ گو کے لیے ایسی فضیلت اور منقبت ثابت

نہیں ہوتی کہ اس کے معاصی اس پر اثرانداز نہیں ہوں گے اور نہ ہی اس سے ہر کلمہ گو شخص کا بغیر مؤاخذہ کے جنتی ہونا ثابت ہوتا ہے تو پھر حدیث قسطنطنیہ سے نہ معلوم یزید کی ایسی منقبت اور فضیلت ثابت کرنے کی کیوں کوشش کی جارہی ہے کہ اس جہادی مہم میں شریک ہونے کے بعد وہ ہر قسم کی بدعملی اور گناہوں سے منزہ ہوگیا، اور کیوں یہ سمجھ لیا گیا کہ اول تو کسی قسم کے معاصی کا صدور اس سے ہوگا ہی نہیں اور اگر کچھ گناہ اس سے صادر بھی ہوئے تو اس بشارت مغفرت کی وجہ سے اس کے معاصی اس پر بالکل نظرانداز نہیں ہوں گے اور وہ بغیر کسی مؤاخذہ کے قطعی طور پر جنت میں داخل ہوجائے گا۔

جس طرح شرط مغفرت نہ پائے جانے کی وجہ سے یزید کی تکفیر کرنے والے اس کو ''مغفورلھم'' کے عموم میں داخل نہیں کرتے اسی طرح ''مغفورلہم'' سے اول وہلہ میں استحقاق مغفرت مراد لینے والے حضرات نے بھی یزید کی سیاہ کاری اور اس کے اعمال شنیعہ کی وجہ سے اس کو بشارت مغفرت سے محروم سمجھا ہے چنانچہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نے فرمایا ہے:

''غایت مافی الباب بسبب خرابیہائے پنہاں کہ داشت ہمچوں منافقان کہ دربیعت رضوان شریک بودند بوجہ نفاق رضوان اللہ نصیب اوشان شد یزید ہم از فضائل ایں بشارت محروم ماند'' (مکتوبات شیخ الاسلام ج ا ص ۲۵۳)

نتیجہ یہ نکلا کہ جس طرح بیعت رضوان میں منافقین شریک ہوئے اور نفاق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی سے محروم ہوگئے تو یزید بھی اپنی اندرونی خرابیوں کی وجہ سے اس بشارت کی فضیلت سے محروم ہوگیا۔

حرف آخر

اس کتاب ''خلافت معاویہ ویزید'' کے متعلق اکثر یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ اس کا

موضوع تاریخی واقعات ہیں نہ کہ مذہبی عقائد۔ لیکن اس کے ملاحظہ کے بعد معلوم ہوگیا ہوگا کہ اس کے اندر عباسی صاحب نے تاریخی تحقیق کے پردہ میں احادیث صحیحہ کی تردید اور مذہبی نظریات کو بدلنے کی پوری کوشش کی ہے اور تاریخی واقعات پر اس انداز سے بحث کی ہے کہ اس کی زد بالواسطہ طور پر مذہبی عقائد پر بھی آپڑتی ہے اور اس سے اہل سنت کا مسلک اعتدال مجروح ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

عباسی صاحب نے ہزار بارہ سو سال کے عرصہ میں ہونے والے مؤرخین، محدثین مفسرین اور دوسرے علوم وفنون کے ماہرین کی تحقیقات کو مجروح اور ناقابل اعتبار ٹھہرا کر ماضی سے امت کا رشتہ بالکلیہ کاٹ دینے کی بھرپور کوشش کی ہے اور علامہ ابن جریر طبری، ابن کثیر دمشقی، ابن خلدون جیسے مؤرخین کی تحقیقات اور آراء کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کے ساتھ پیش آئے ہیں۔

جن جن ناملائم اور گستاخانہ الفاظ سے یاد کیا ہے اس سے مؤلف کی ذہنیت اور اس کے نقطۂ نظر کا پتہ لگتا ہے۔ اس کتاب کو پڑھ کر اس کے مضامین پر یقین واعتماد کر لینے کے بعد پھر اساطین امت، اہل بیت عظام اور دوسرے اعلام ملت مفسرین ومحدثین کرام کی طرف سے بدگمانی اور گستاخی کا پیدا ہوجانا اس کتاب کا خاصہ لازمہ اور ماضی کی بلند پایہ معروف شخصیتوں سے انحراف اور بے اعتمادی اس کا لازمی اثر ہے جس کا تجربہ اور مشاہدہ اس کتاب کے پڑھنے والوں کو دیکھ کر رات دن ہو رہا ہے۔

اس لیے اس کتاب ''خلافت معاویہ ویزید'' اور محمود احمد عباسی کی کل کتابوں کا مطالعہ کرنا دینی اعتبار سے سخت گمراہ کن اور موجب فتنہ ہے۔ حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمی صاحب سابق، مہتمم دارالعلوم دیوبند رحمہ اللہ کی رائے گرامی اس کتاب کے متعلق بالکل واقعی اور صحیح ہے کہ:

''کتاب کے مضامین مسلک اہل سنت کے خلاف اور جذبات کو مجروح کرنے والے ہیں''

اب آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو تمام فتنوں سے محفوظ و مأمون رکھے اور احقر کی اس مختصر تحریر کو مسلمانوں کی ہدایت کا سبب اور احقر کے لیے ذخیرۂ آخرت بناوے۔ وماذٰلک علی اللہ بعزیز، نعم المولٰی ونعم النصیر اللّٰھُمَّ اذا اردت بقوم فتنۃ فتوفنا غیر مفتون وصلی اللہ تعالٰی علٰی سید الکائنات واکرم المخلوقات سیدنا ومولانا محمد وعلٰی آلہ الاطہار واصحابہ الاخیار الٰی یوم القرار

۷/ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۷ھ کو اس کتاب پر مختصر نوٹ پورے ہوگئے تھے پھر دوسری مصروفیتوں کی وجہ سے اس کو مفصل کرنے کی فرصت نہیں ملی، تھوڑے تھوڑے وقفے میں تفصیل کرتا رہا، بحمداللہ آج بروز جمعہ بارہ بجے دن بتاریخ ۲۴/ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۷ھ کو یہ مسودہ پورا اور مکمل ہوگیا۔ والحمد للہ اولاً وآخراً وظاھراً وباطناً۔

سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ

خادم مدرسہ عربیہ حقانیہ

ساہیوال ضلع سرگودھا

حافظ محمد اکبر شاہ بخاری

خطیب الامت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ

دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالٰہیار سندھ (آخری قسط)

تقسیم ہند کے بعد پاکستان کے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے مرکزی دارالعلوم کے قیام کو عملی جامہ پہنانے والی شخصیت بھی خطیب الامت حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی کی ذات گرامی ہے جنہوں نے دارالعلوم دیوبند کی طرز پر پاکستان میں ایک دارالعلوم کے قیام کی خواہش کا اظہار فرمایا تھا۔ حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ کے حکم پر مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ نے ملک کے جید اکابر علماء کی مشاورت سے ایک مرکزی دارالعلوم قائم فرمایا اور اس میں اکابر علماء کو تدریس کے لئے منتخب کیا، ہزاروں علماء فارغ التحصیل ہوئے جو ملک و بیرون ممالک دینی و علمی خدمات میں مصروف ہوئے ،اس دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہٰ یار سندھ کے بانی و مہتمم حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی قرار پائے اور یہ دارالعلوم مولانا کا عظیم کارنامہ اور عظیم صدقہ جاریہ ہے (تذکرۂ خطیب الامت)

مرکزی جامع مسجد تھانوی جیک لائن کراچی

شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ فرماتے ہیں:

مرکزی دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالٰہیار سندھ اور مرکزی جامع مسجد تھانوی جیکب لائن کراچی حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی کی قابل قدر یادگاریں ہیں، قیام پاکستان کے بعد حضرت مولانا مرحوم کی یہ مسجد اور ان کا ذاتی مکان مسلسل دینی و سیاسی سرگرمیوں کا مرکز بنا رہا ایک زمانہ تک شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی ،علامہ ظفر احمد عثمانی ، مفتی محمد حسن امرتسری، علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا خیر محمد جالندھری، مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی ،

مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مولانا عبدالرحمن کامل پوری، مولانا شمس الحق افغانی ، مولانا محمد یوسف بنوری اور میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہم اللہ جیسے اکابر علماء کی مشاورت اکثر و بیشتر اسی جامع مسجد تھانوی اور اس سے ملحقہ حضرت مولانا کے مکان پر ہی ہوتی رہی ۔یہ سب کارنامے مولانا کے خلوص کا ثمرہ تھے ۔مولانا کی ذات پر یہ سب اکابر علماء ومشائخ مکمل اعتماد فرماتے تھے اور مولانا کے کارناموں پر بڑی خوشی کا اظہار فرماتے تھے ۔

تحریک ختم نبوت میں اہم کردار

اکابر علماء دیوبند نے جس طرح تحریک آزادی اور تحریک پاکستان میں عملی حصہ لیا تھا اسی طرح تحریک ختم نبوت میں اہم کردار ادا کیا تھا اور بڑی قربانیاں دی ہیں ۔امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ اس تحریک ختم نبوت کے اصل محرک و بانی تھے ، حضرت امام العصر علامہ کشمیری رحمہ اللہ کی اس تحریک کے عظیم مجاہدین میں علامہ شبیر احمد عثمانی ، مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری، مولانا مفتی محمد شفیع ، علامہ محمد ادریس کاندھلوی ، مولانا سید بدر عالم میرٹھی ، مولانا ثناء اللہ امرتسری، سید عطاء اللہ شاہ بخاری، قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مولانا احتشام الحق تھانوی ، مولانا محمد علی جالندھری، مولانا خیر محمد جالندھری ، مفتی محمد حسن امرتسری، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا سید داؤد غزنوی، مولانا یوسف بنوری و دیگر علماء و مشائخ رحمہم اللہ شامل ہیں ۔

آغا شورش کشمیری مرحوم اپنی کتاب ''سید عطاء اللہ شاہ بخاری'' میں مولانا احتشام الحق تھانوی کی تحریک ختم نبوت میں عظیم خدمات کا تفصیلی تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اکابر علماء و مشائخ نے قادیانیوں کے ناپاک عزائم کا پردہ چاک کیا اور تحریر و تقریر کے ذریعہ مسلمانوں کو اس عظیم فتنہ سے آگاہ کیا، علماء و مشائخ نے ایک تحریک مجلس عمل ختم نبوت قائم کی جس کا کنوینر مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ کو منتخب کیا گیا علماء

نے بڑے بڑے شہروں میں کانفرنسیں منعقد کیں جس کی بنا پر مرزا محمود نے اعلان کیا کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا احتشام الحق تھانوی اور مولانا عبدالماجد بدایونی کو قتل کر دیں گے''۔

بہرحال حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی بقول حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید ہمارے اکابر میں نمایاں مقام رکھتے تھے اور تحریک ختم نبوت کے وہ عظیم مجاہد تھے۔ مختصر یہ کہ اکابر علماء دیوبند نے ۱۹۵۳ء اور ۱۹۷۴ء کی تحریکات میں بھرپور کام کیا جس کے نتیجہ میں علامہ یوسف بنوری، حضرت مفتی محمود، مفتی محمد تقی عثمانی، مولانا محمد مالک کاندھلوی اور دیگر اکابر علماء رحمہم اللہ کی سعی سے مرزائی غیر مسلم اقلیت قرار پائے۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

وفاق المدارس العربیہ پاکستان مسلک علماء دیوبند کے مدارس کی سب سے بڑی تنظیم ہے جس کے ساتھ پندرہ ہزار کے قریب مدارس عربیہ ملحق ہیں وفاق المدارس کی تنظیم کا عظیم کارنامہ بھی حضرت مولانا مرحوم نے انجام دیا۔ وفاق المدارس کے قیام کے سب سے بڑے محرک اور سب سے پہلے کنوینر حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ تھے۔ علامہ خیر محمد جالندھری، مفتی محمد شفیع، علامہ ادریس کاندھلوی، علامہ شمس الحق افغانی اور مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہم اللہ درحقیقت بانی ارکان ہیں ان سب اکابر کو مولانا مرحوم پر مکمل اعتماد تھا اور ان سب حضرات نے مولانا کو کنوینر مقرر کیا پھر جامعہ خیر المدارس ملتان میں اجلاس ہوا اسی طرح دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو الٰہیار میں وفاق المدارس کے بارے میں لائحہ عمل تیار کیا گیا اور عملی جامہ پہنایا گیا اور بالآخر وفاق المدارس کی تنظیم کا اعلان کیا گیا۔ حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ کا یہ عظیم الشان کارنامہ بھی دیگر تاریخی کارناموں کی طرح ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ یہ تاریخی حقائق ہیں انہیں جھٹلایا نہیں جا سکتا۔

موجودہ صدر وفاق المدارس پاکستان حضرت مولانا سلیم اللہ خان مدظلہم فرماتے ہیں:

'' وفاق المدارس کے بانیوں میں مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ کا اسم گرامی سرفہرست آتا ہے، حضرت مولانا خیر محمد جالندھری ، علامہ ادریس کاندھلوی، مفتی محمد شفیع ، مولانا شمس الحق افغانی ، مولانا احمد علی لاہوری ، مولانا محمد صادق بہاول پوری رحمہم اللہ جیسے اکابر اس تنظیم وفاق المدارس کے اکابرین میں سے ہیں ۔علامہ یوسف بنوری ، مولانا مفتی محمود، مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمہم اللہ اور دیگر حضرات کی خدمات جلیلہ بھی وفاق المدارس کے لئے سنہری حروف سے لکھی جائیں گی ''۔(اکابرین وفاق المدارس پاکستان)

مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی کا قیام

دوسرے اہم دینی کارناموں کی طرح مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی کا قیام بھی مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ کا عظیم کارنامہ ہے اس سلسلہ میں اکابر علماء وفقہاء نے آپ پر مکمل اعتماد کیا اور آپ کے فیصلے کو ہمیشہ اہمیت دی اور تسلیم کیا رؤیت ہلال کمیٹی کا مرکزی چیئرمین آپ ہی کو منتخب کیا گیا رؤیت ہلال کے مسئلہ پر کلمہ حق بلند کرنے کی پاداش میں آپ کو قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں مگر آپ نے جرأت و بے باکی کا مظاہرہ کیا اور رؤیت ہلال کا فیصلہ شرعی طور پر منوایا۔

لادینی تحریکات عائلی کمیشن پرویزی و مشرقی و مودودی فتنہ کے خلاف جہاد

خطیب الامت حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی نور اللہ مرقدہ کو حق تعالیٰ شانہ نے بڑے اوصاف و کمالات سے نوازا تھا بالخصوص حق گوئی و بے باکی میں وہ اپنی نظیر آپ تھے کبھی مصلحت و مداہنت سے کام نہیں لیا، دین حق کے پرچار میں کبھی لچک نہیں دکھائی ہمیشہ کلمہ حق ادا کیا۔عائلی کمیشن میں آپ تن تنہا ڈٹ گئے اور واحد عالم دین کی حیثیت سے اختلافی نوٹ لکھا پورے برصغیر پاک و ہند کے جید علماء نے آپ کی اس جرأت و بے

باکی پر خراج تحسین پیش کیا۔ مولانا عبدالماجد دریابادی اور دیگر علماء نے اس عظیم کارنامے اور حق گوئی کو تاریخ اسلام میں نشان منزل قرار دیا۔ اسی طرح سے پرویزی فتنہ، قادیانی فتنہ، مشرقی فتنہ کے تجدد پسندانہ پروگرام کے خلاف آپ نے بڑی جرأت سے کام کیا اور تحریر و تقریر کے ذریعہ کلمہ حق ادا کیا۔ ڈاکٹر فضل الرحمن قادیانی کے خلاف ہر طرح سے جرأت کا مظاہرہ کیا۔ سکندر مرزا اور ایوب خان مرحوم و دیگر حکام کے سامنے ہمیشہ کلمہ حق ادا کرتے رہے۔ مسلک علماء دیوبند کا تحفظ کیا اور ہمیشہ مسلک دیوبند کے ترجمان کی حیثیت سے حق ادا کیا۔ بقول مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ کہ مولانا احتشام الحق تھانوی نے دین حق کی سربلندی کے لئے کام کیا، کبھی بھی مسلک کے خلاف مداہنت سے کام نہیں لیا ہمیشہ یہ جرأت سے کام کیا اور اکابر و اسلاف کی روایات کا خیال کرتے ہوئے کلمہ حق ادا کیا۔

سوشلزم کے خلاف تحریک

۱۹۶۹ء، ۷۰، ۷۱ میں کل پاکستان مرکزی جمعیت علماء اسلام و نظام اسلام پارٹی کے مرکزی قائد کی حیثیت سے سوشلزم اور دیگر لادینی عناصر کے خلاف زبردست تحریک چلائی علامہ ظفر احمد عثمانی، مفتی محمد شفیع، مولانا رسول خان ہزاروی مولانا خیر محمد جالندھری، مولانا محمد ادریس کاندھلوی اور مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہم اللہ جیسے اکابر کی سرپرستی میں پورے ملک کے طوفانی دورے کئے، مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان دونوں حصوں میں مرکزی جمعیت علماء اسلام کی کانفرنسوں اور جلسوں میں سوشلزم، کیمونیزم اور دوسرے لادینی نظاموں کے خلاف آپ نے بڑی جرأت و بے کی سے تقاریر کیں اور ذوالفقار علی بھٹو کے اس نظریہ سوشلزم کی بھرپور انداز میں تردید کی اور عوام و خواص کو اس لادینی نظام کے خلاف آگاہ کیا، اکابر علماء نے سوشلزم کے خلاف فتویٰ دیا اور اس لادینی فتنہ کو گمراہ کن اور کفر قرار دیا۔ بہرحال آپ نے اس تحریک میں بڑی محنت سے کام کیا، ہزاروں جلسوں

سے خطاب کیا اور مرکزی جمعیت کے قائد کی حیثیت سے بڑی مقبولیت حاصل کی۔

عالمی تبلیغی واصلاحی خدمات

حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ نے پوری زندگی تبلیغ دین میں گزاری، ساری حیات جامع مسجد جیکب لائن کے خطیب کی حیثیت سے مسلک حقہ کے مطابق دینی و تبلیغی خدمات سرانجام دیں پوری دنیا میں آپ نے تبلیغی دورے کئے لاکھوں مسلمانوں کو دین کا پیغام دیا ہزاروں کو مشرف بہ اسلام کیا، مجلس دعوۃ الحق اور مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان کے پروگراموں کے مطابق آپ نے دینی و تبلیغی خدمات سرانجام دیں۔ علاوہ ازیں آپ نے دینی مدارس خصوصاً جامعہ اشرفیہ لاہور، جامعہ خیرالمدارس ملتان، جامعہ دارالعلوم کراچی اور ملک بھر کے دیگر مدارس کے سالانہ جلسوں اور کانفرنسوں میں دین اسلام کی تبلیغ کا حق ادا کیا اور کئی کئی گھنٹے اپنے مواعظ حسنہ سے مسلمانوں کو صحیح دین اسلام کا پیغام پہنچایا کوئی ملک ایسا نہیں جہاں جاکر آپ نے دین حق کا پرچم بلند نہ کیا ہو ملک بھر میں کوئی ایسا شہر نہیں جہاں آپ کی آواز حق نہ گونجی ہو۔

آپ نے حکیم الامت حضرت تھانوی اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہما اللہ کی طرز پر اپنی مسحور کن خطابت کے ذریعہ تبلیغی واصلاحی خدمات انجام دیں۔ الحمدللہ آج بھی جامعہ احتشامیہ، جامع مسجد تھانوی جیکب لائن کراچی آپ کی عظیم یادگار ہے اور آپ کے لائق وفائق صاحبزادے حضرت مولانا قاری تنویر الحق تھانوی مدظلہ اپنے والد گرامی کے مشن کو زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان کا سالانہ اجتماع جامعہ احتشامیہ کراچی میں ہوتا ہے اور صحیح معنیٰ میں جامعہ احتشامیہ دین کا عظیم مرکز ہے جس میں مولانا احتشام الحق تھانوی کا فیض علمی وروحانی آج بھی جاری ساری ہے۔ حق تعالیٰ شانہ ہمیشہ مولانا مرحوم کے مقدس مشن کو جاری رکھے اور حضرت کے درجات بلند فرمائے، آمین۔

مفتی محمد عبداللہ چنیوٹی

احکام القرآن مفتی عبدالشکور ترمذی کا منہج

تحقیقی جائزہ (آخری قسط)

خلاصہ بحث: ابتداءً مؤلف احکام القرآن کی شخصیت کا مختصراً تعارف کرایا گیا، اس میں انکے خاندان کی علمی خدمات کا اجمالی تذکرہ کیا، حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی کی تعلیم و تربیت کا تذکرہ ہوا، مفتی صاحب نے اشاعت اسلام کے حوالے سے جو خدمات سرانجام دیں ان کا تعارف ہوا، خاص طور پر حضرت مفتی صاحب کی علمی و تحقیقی تصنیفات کی فہرست ذکر کرکے صرف اس بات کو ظاہر کیا گیا کہ کون سی تالیف مطبوعہ ہے اور کون سی فی الحال غیر مطبوعہ ہے، اس سے مفتی عبدالشکور ترمذی کی جامع شخصیت کا اجمالی تعارف سامنے آیا۔

حضرت مفتی صاحب کی تصنیفات میں سے احکام القرآن بہت اعلیٰ معیار کی علمی و تحقیقی تفسیر ہے جو کہ قرآن مجید کی دوسری منزل سے متعلق ہے اور ایک حصہ سورۂ ق سے آخر قرآن تک کا بھی ہے، اسی حوالے سے احکام القرآن کے موضوع پر عرب و عجم میں جتنی کاوشیں ہوئیں ان کا بھی تذکرہ ہوا، عرب و عجم میں اس موضوع پر ہونے والی تالیفات کا الگ سے ذکر کردیا گیا ہے اور برصغیر پاک و ہند میں ہونے والی تالیفات کا الگ سے تذکرہ ہوا، ایک کوشش یہ بھی کی گئی کہ ان تصنیفات کو صدی ہجری کے اعتبار سے مرتب کردیا جائے تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ کس صدی ہجری میں اس موضوع پر کتنا کام ہوا، البتہ یہ بات حتمی نہیں کہ احقر نے جتنی تعداد ان مؤلفات کی درج کی ہے اس میں اضافہ نہیں ہوسکتا بلکہ ممکن ہے مزید تحقیقات کی روشنی میں اس موضوع پر ہونے والی تالیفات میں اضافہ ہوجائے۔

احکام القرآن کے موضوع پر چودھویں صدی ہجری میں ہونے والی کاوشوں میں ایک

کاوش حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی زیر نگرانی تالیف احکام القرآن کی ہے ، حضرت تھانوی نے ابتداءً یہ کام خود شروع کیا پھر اس کام کی وسعت اور اپنی مصروفیات کی وجہ سے چار افراد پر مشتمل ایک جماعت کو یہ کام سپرد کیا گیا، بعض وجوہات کی بنا پر بعض حضرات اپنا کام مکمل نہ فرما سکے ، ان حضرات کے متروکہ حصوں کی تکمیل مفتی عبدالشکور ترمذی نے کی ، اس طرح احکام القرآن للتھانوی کی تکمیل ۲۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ میں عمل میں آئی ۔

اس احکام القرآن کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس سے پہلے جو احکام القرآن لکھے گئے ان میں مجموعی طور پر صرف آیات احکام ہی پر بحث نہیں کی گئی بلکہ دیگر آیات جو قصص وامثال سے متعلق تھیں ان میں بھی غور وخوض کر کے مسائل کا استنباط کیا گیا، اس طرح اس کا مقصد صرف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مسائل کے دلائل فراہم کرنا ہی نہیں بلکہ قرآن کی جس آیت سے کسی بھی موضوع سے متعلق مسئلہ کا استنباط ہو رہا ہو اس کو ذکر کیا ہے خواہ وہ مسئلہ احکام فقہیہ سے متعلق ہو یا عقائد و تصوف اور اخلاق و تمدن اور جدید تعلیم کی وجہ سے پیدا شدہ شکوک وشبہات کا جواب ہو، اس کا استنباط واستخراج کیا ہے۔

مفتی صاحب کے حصہ احکام القرآن سے متعلق تمام مسائل کی باقاعدہ الگ فہرست تیار کی پھر اس میں سے اس مقالہ میں چند اہم مسائل کا بطور نمونہ کے ذکر کیا گیا ہے ، ان کے بعد ایک اہم باب کا بھی اضافہ کیا گیا جس میں ان آیات سے کوئی اہم فقہی اصول مستنبط ہوا یا کسی فرقے کی تردید ہو رہی تھی اس کا بھی ذکر کر دیا گیا، ان کی تعداد اگرچہ بہت زیادہ تھی لیکن اس مقالہ میں بطور نمونہ چند فرقوں کا ذکر کر دیا گیا ہے ، اس مقالہ میں احکام القرآن للترمذی کا ''۹'' مختلف تالیفات احکام القرآن سے تقابل بھی پیش کیا گیا ہے اسکے بعد مفتی عبدالشکور ترمذی کے احکام القرآن میں استنباط احکام کے دوران جن امور کا عموماً اور اکثر جگہ پر الترمذی کیا ان کا بھی تذکرہ کر دیا گیا، اس کے علاوہ اس تالیف کے وقت حضرت مفتی صاحب کے پیش نظر جو مصادر وماخذ رہے ان کی فہرست بھی ذکر کر دی گئی ہے۔